إِنْ أُرِيدُ إِلَّا الْإِصْلَاحَ مَا اسْتَطَعْتُ

ستمبر ۲۰۲۰ء

ماہنامہ

# البرہان

لاہور

مدیر ڈاکٹر محمد امین

ڈاکٹر محمد امین کی نئی فکر انگیز تصنیف

# پاکستان کی دینی قوتیں غیر مؤثر اور ناکام کیوں؟

## ایک فکری تجزیہ

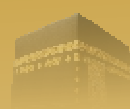

- موجودہ دینی جد و جہد کے غیر مؤثر ہونے کے مظاہر، اسباب اور نتائج
- بگاڑ کے اسباب اور ذرائع
- تفکیرِ نو اور تشکیلِ نو کے بنیادی اُصول اور تجاویز
- پس چہ باید کرد (ایک ہمہ جہت اصلاحی تحریک کی ضرورت)

صفحات: ۲۴۰ قیمت: ۳۰۰ روپے

**مکتبہ البرہان**

A-97 نیلم بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور

فون: 0309-4607124، ای میل ermpak@hotmail.com

ڈاکٹر محمد امین کی تازہ تالیف

# اسلام اور ردِّ مغرب

## مغربی تہذیب خلافِ اسلام ہے اور اس کا ردّ شرعاً واجب ہے

- مغربی تہذیب کے قابل ردّ ہونے کے نو (۹) شرعی و عقلی مبسوط دلائل
- ردّ مغربی تہذیب کے موقف پر اشکالات واعتراضات کا جائزہ
- ردّ مغربی فکر و تہذیب کے تقاضے

ڈاکٹر محمد امین

صفحات: ۲۱۴

قیمت: ۳۰۰ روپے بغیر ڈاک خرچ

**مکتبہ البرہان**

A-97 نیلم بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور

فون: 0309-4607124، ای میل ermpak@hotmail.com

# ڈاکٹر محمد امین کی چند اہم تصانیف

| | |
|---|---|
| ہمارا تعلیمی بحران اور اس کا حل | ۴۵۰ صفحات |
| اسلامی سکول کے خدوخال | ۸۰ |
| تعلیم اور اس کا اسلامی کردار | ۱۶۷ |
| یکساں قومی نصاب۔خدشات و مضمرات | ۲۳۲ |
| تعلیمی ادارے اور کردار سازی | ۱۷۰ |
| تعلیمی اداروں میں تعمیر سیرت۔ ہینڈ بک و گائیڈ | ۱۶۰ |
| تدریس القرآن ① برائے معلمین | ۱۹۰ |
| تدریس القرآن ① برائے طلبہ و طالبات | ۷۲ |
| پنج سورہ (اُردو تفہیم، ڈاکٹر محمد امین) | ۷۶ |
| ہمارا دینی نظام تعلیم | ۲۵۰ |
| نصابِ مدنیؒ | ۴۰ |
| مدرسہ ڈسکورسز۔مطالعہ و تجزیہ | ۱۵۲ |
| اسلام اور تزکیۂ نفس (مغربی فکر کے ساتھ تقابلی مطالعہ) | ۹۰۳ |
| حقیقتِ تزکیۂ نفس (سوالاً جواباً) | ۶۰ |
| ترکِ رذائل (احمد جاوید) | ۲۵۰ |
| مسلم نشاۃ ثانیہ۔اساس اور لائحہ عمل | ۳۰۰ |
| اسلام اور تہذیبِ مغرب کی کشمکش | ۱۷۵ |
| اسلامی اور مغربی اصطلاحات کا تقابلی مطالعہ | ۱۷۵ |
| اسلام اور ردِّ مغرب | ۲۱۴ |
| عصرِ حاضر میں دین کا متوازن تصور | ۸۳ |

**مکتبہ البرہان**، 97-A نیلم بلاک، علامہ اقبال ٹاؤن، لاہور، **0309-4607124**

ماہنامہ **البرہان** لاہور

جلد ۲۴، شمارہ ۹، ستمبر ۲۰۲۰ء/محرم الحرام ۱۴۴۲ھ

# مشمولات

O فکر و نظر

شرم تم کو مگر نہیں آتی — مدیر — ۵

O تعلیم و تربیت

- یکساں قومی نصاب: دعوے، حقائق اور پسپائی — پروفیسر ملک محمد حسین — ۷
- علماء کرام کی مغربی تہذیب اور جدید تعلیم سے بے خبری — ڈاکٹر محمد امین — ۱۲
- ہمارے تعلیمی ادارے: قحبہ خانے یا مقتل؟ — محمد عاصم حفیظ — ۱۴
- ایلیٹ سکولوں کا تعلیمی مافیا جیت گیا — ۱۶
- نصابی کتابوں میں انسانی حقوق کے منشور کی تدریس — سید خالد جامعی — ۱۷
- اسلامیات کا نصاب۔ تنازعہ کس بات پر؟ — پروفیسر ملک محمد حسین — ۲۵

O تفہیم مغرب

اہل مغرب کے 'مہذب' ہونے کا افسانہ — شاہنواز فاروقی — ۳۱

O تفہیم دین

ٹی وی تبلیغ اسلام کا موزوں ذریعہ نہیں — ڈاکٹر زاہد صدیق مغل — ۳۷

O اسلام اور پاکستان

- تحفظِ بنیادِ اسلام بل: غیر ضروری قانون سازی — ڈاکٹر محمد امین — ۴۶
- پاکستانی معاشرہ: فحاشی، عریانی، زنا کا کھلے عام فروغ — محمد عاصم حفیظ — ۵۱

O عالم اسلام

عالمِ اسلام: حالات کی نئی کروٹ اور بدلتے رجحانات — مدیر — ۵۳

O استفسارات

دینی قوتوں میں مکالمہ اور تجدد — مدیر — ۵۵

O داستان سرائے

دلچسپ و ایمان افروز واقعات — ادارہ — ۵۶

O ایک لوہار کی

پاکستان میں قیامِ امن کا یقینی فارمولا — عبداللہ — ۵۸

فکر و نظر

# شرم تم کو مگر نہیں آتی

ہم پچھلے کئی مہینوں سے دیکھ رہے ہیں
ہر ہفتے عشرے بعد اخبار میں خبر آتی ہے کہ
کسی پاکستانی مسلمان باپ نے اپنی بیٹی کے ساتھ درندگی کی

ہم دیکھ رہے ہیں
اس پر کہیں سرخ آندھی نہیں آتی، کوئی مظاہرہ نہیں ہوتا، کہیں احتجاج نہیں ہوتا، کوئی جلوس نہیں نکلتا، کوئی بیان نہیں چھپتا
گویا یہ ایک روٹین کی بات ہے
گویا ہم سب نے اس صورتِ حال کو قبول کر لیا ہے
جیسے پہلے ہم نے تین تین سال کی بچیوں کے ریپ کو روٹین سمجھ کر قبول کر لیا ہوا ہے۔

یہ کیوں ہو رہا ہے؟
یہ جاننے کے لیے کسی بڑے فلسفے اور دانش کی ضرورت نہیں
کیا ہم دیکھتے نہیں کہ ہمارے میڈیا میں کیا ہو رہا ہے؟
ہماری جدید تعلیم کا کمرشل اور مخلوط ماحول کیا گُل کھلا رہا ہے؟
ہم نے اپنی سیاست، معیشت، ثقافت، قانون، تعلیم.... سب کچھ مغرب کا قبول کر لیا ہے۔
جس کے نتیجے میں معاشرہ دین سے دور ہو رہا ہے، دینی اقدار غائب ہو رہی ہیں، مغربی اقدار عام ہو رہی ہیں، مادہ پرستی اور ہوس پرستی عام ہو رہی ہے، اخلاق تباہ ہو رہے ہیں۔

اور لطف کی بات یہ ہے کہ اس مملکت خداداد اور اسلامی جمہوریہ پاکستان میں حدود قوانین نافذ ہیں، ۱۹۷۹ء سے
کہاں نافذ ہیں؟.... کاغذوں میں!

کہ آج تک کسی چور کا ہاتھ نہیں کٹا، کوئی زانی سنگسار نہیں ہوا، کسی شرابی کو کوڑے نہیں لگے۔

کیوں؟ جواب دیجیے کیوں؟

ہمیں حکمران سیاستدانوں، فوج، عدلیہ، بیوروکریسی.... سے کوئی توقع نہیں کہ وہ سب مغرب زدہ ہیں۔

ہم پوچھتے ہیں تبلیغی جماعت سے، دعوتِ اسلامی سے

دینی مدارس سے، مساجد سے، تصوف کے حلقوں سے

جمعیت علماء اسلام، جماعت اسلامی، جمعیت علماء پاکستان، جماعت اہل حدیث.... جیسی دینی جماعتوں سے

کہ انہوں نے اس صورت حال کو کیوں قبول کر لیا ہے؟

ہم جاننا چاہتے ہیں کہ
اس بے حمیتی اور بے حسّی کی وجہ کیا ہے؟
کوئی ہمیں بتائے گا؟

کوئی ہمیں بتائے گا؟

کہ ان دین کے علم برداروں نے مل کر
میڈیا کی اصلاح کے لیے کیا کیا ہے؟
جدید تعلیم کو اسلامی بنانے کے لیے کیا کیا ہے؟
سیکولرزم اور لبرل ازم کی آندھی کو روکنے کے لیے کیا کیا ہے؟
کوئی ہمیں بتائے گا کہ اس بے عملی، بے حمیتی اور بے حسّی کا سبب کیا ہے؟
کوئی ہمیں بتائے گا؟
کوئی ہمیں بتائے گا؟

سرفراز سید

# تقسیمِ کار

چلو پھر ایسا کرتے ہیں، ذرا تفہیم کرتے ہیں
بنامِ عدلِ آدم، رزق ہم تقسیم کرتے ہیں
تو تم ساری حکومت، شان و شوکت، تمکنت لے لو
فضائے بحر و بر کے سب امورِ سلطنت لے لو
عدالت، حُسن و دولت، اختیارِ بے کراں لے لو
سپہ، دربار، شہرت، اقتدارِ دو جہاں لے لو
اور مجھے کچھ حرف دے دو، لفظ دے دو، اک قلم دے دو
زمانے بھر کا غم دے دو، مجھے اک چشمِ نَم دے دو
مجھے کچھ خواب دے دو، سنگریزے، تلخیاں دے دو
دلِ افسردہ، خالی گھر، قفس کی تیلیاں دے دو
مگر دو دن کا قصہ ہے، کمالِ تمکنت جاناں!
صحیفوں کی روایت ہے، زوالِ سلطنت جاناں!
اک ایسا وقت آئے گا، بھری دوپہر میں جاناں!
اکیلے تم کھڑے ہو گے، اکیلے شہر میں جاناں!
میری جاں! ایسے موسم میں میرے الفاظ بولیں گے
میرے الفاظ کے جادُو درِ حیرت کو کھولیں گے
میں لکھوں گا وہ نغمے جو کبھی سوچے نہیں تم نے
ابھی کچھ بال و پَر باقی ہیں، جو نوچے نہیں تم نے
کچھ ایسے استعارے جو کبھی بولے نہیں جاتے
میں اُگلوں گا وہ موتی، جو کبھی تولے نہیں جاتے
فضائے نغمہ و گُل میں، تمہیں مَیں زندہ رکھوں گا
حصارِ شہرِ جاں میں، مَیں تمہیں پائندہ رکھوں گا
تو جاناں ایسا کرتے ہیں ذرا تفہیم کرتے ہیں
بنامِ عدلِ آدم رزق ہم تقسیم کرتے ہیں

تعلیم و تربیت

پروفیسر ملک محمد حسین

# یکساں قومی نصاب - دعوے، حقائق اور پسپائی

تحریک انصاف کی حکومت نے یکساں قومی نصاب کا تصور اس بنیاد پر آگے بڑھایا تھا کہ ملک میں تعلیم کے مختلف سلسلے چل رہے ہیں جن سے طبقاتی تفریق، معاشرتی ناہمواری اور بعض طبقات کے لیے محرومی کی حالت جنم لیتی ہے۔ کہا گیا کہ اگر اشرافیہ کے سکولوں، عام پرائیویٹ سکولوں، سرکاری سکولوں اور دینی مدارس میں پڑھنے والے طالب علموں کو ایک کمرے میں اکٹھا بٹھا دیا جائے تو وہ آپس میں بات چیت بھی نہیں کر پائیں گے۔ یہ صورتِ حال قومی یکجہتی اور معاشرتی ہم آہنگی کے لیے بہت نقصان دہ ہے نیز دینی مدارس اور پبلک سیکٹر سکولوں سے پڑھ کر آنے والے طلبا زندگی کی دوڑ میں پیچھے رہ جاتے ہیں جن سے معاشرتی ظلم پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے ملک کے تمام طلبا کے لیے یکساں تعلیمی نصاب ہونا چاہیے تاکہ قوم کے سب بچوں کو زندگی کی دوڑ میں ایک طرح کی صورتِ حال کا سامنا ہو۔

یکساں قومی تعلیمی نصاب کے لیے جو سطورِ بالا میں حکومتی جوازات دیے گئے ہیں وہ بالکل درست اور حق پر مبنی ہیں لیکن عدل و انصاف اور زندگی کے یکساں مواقع دینے کے لیے صرف یکساں قومی نصاب ہی کافی نہیں ہے۔ اس کے لیے ضروری ہے کہ تعلیمی سہولیات، تعلیمی تدریسی ماحول، تربیت یافتہ اساتذہ میں یکسانیت ہو اور امتحانات اور سنداتِ تعلیم عطا کرنے کا نظام بھی ایک جیسا ہو۔ پہلے بھی صورتِ حال یہ ہے کہ بیرونی امتحانی بورڈز کے امتحانات یعنی اولیول اے لیول، آئی بی اور آئی جی سی ایس ای میں بیٹھنے والے اشرافیہ کے تعلیمی اداروں کے طلبا کے علاوہ جو طلبہ بھی میٹرک اور انٹرمیڈیٹ کا لوکل تعلیمی بورڈز کا امتحان دیتے ہیں وہ قومی تعلیمی نصاب ہی پڑھ کر آتے ہیں چاہے ان طلبا کا تعلق اشرافیہ کے سکولوں سے ہو سرکاری سکولوں سے ہو، یا وہ دینی مدارس سے پڑھ کر مذکورہ امتحانات دے رہے ہوں۔ البتہ جو طلبا صرف دینی مدارس سے پڑھ کر عامہ، ثانویہ یا شہادۃ العالیہ کا امتحان دیتے ہیں وہ خالص درسِ نظامی کا نصاب پڑھتے ہیں۔

ان گزارشات سے معلوم یہ ہوا کہ فرق امتحانی نظام اور سرٹیفکیشن (Certification) کے نظام سے پڑتا ہے نیز تعلیمی سہولیات اور تعلیمی تدریسی ماحول کے ساتھ اساتذہ کی تعلیمی اور پیشہ ورانہ قابلیت فرق پیدا کرتی ہے۔ اب موجودہ حکومت محض نصاب کے ذریعے سے یکسانیت پیدا کرنا چاہتی ہے تو یہ ایک بے ثمر کوشش ہوگی۔

دوسری طرف معروضی صورتِ حال یہ ہے کہ حکومت کا سنگل نیشنل کریکولم بری طرح متنازعہ ہو چکا ہے۔ اسلامی ذہن کے محب وطن ماہرین تعلیم نصاب کے سیکولر لبرل چہرے پر تنقید کر رہے ہیں اور اس امر پر اعتراض کر رہے ہیں کہ نئی نسل کی سیرت و کردار کی تربیت کے لیے اسلامی اقدار کو بنیاد بنانے کی بجائے ہیومنزم کی اقدار کو نصاب میں سمویا جا رہا ہے۔ اس کے مقابلے میں سیکولر لبرل لابی اپنے بیرونی سرپرستوں کی زیر ہدایت اسلامیات کے نصاب پر اعتراضات اٹھا رہی ہے۔ ان کا یہ مطالبہ تو سنگل نیشنل کریکولم میں بدرجہ اتم مانا گیا کہ اسلامیات کے نصاب کے علاوہ دیگر مضامین کی ساخت میں اسلامی اقدار اور اسلامی تصورِ حیات شامل نہیں ہوگا۔ اب ان کا اعتراض یہ ہے کہ قرآن کی تدریس بعض سورتوں، دعاؤں اور احادیث کی تعلیم اور حفظ شامل نصاب کیوں ہے نیز یہ کہ نصاب تو دینی مدارس کے نصاب سے بھی زیادہ بوجھل ہے اور جنرل ضیاء الحق کے دور میں جو بنیاد پرستی شروع کی گئی تھی اس نصاب میں تو اس سے بھی زیادہ بنیاد پرستی شامل ہے۔ ہم جب اسلامیات کے موجودہ مجوزہ نصاب کا جائزہ لیتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ قرآن کی تدریس تو ۱۹۶۰ء سے پرائمری سطح پر لازمی ہے نیز اسلامیات کا موجودہ نصاب جنرل مشرف کے دور، ۲۰۰۲ء کے نصاب، ۲۰۰۶ء کے نصاب اور صوبوں کے اسلامیات کے موجودہ نصاب سے ذرہ برابر مختلف نہیں ہے۔ اب جو سیکولر لبرل لابی اسلامیات کے نصاب پر اعتراض کر رہی ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اسلامیات کے علاوہ پورے نصاب کو لبرل سیکولر شکل دینے کے بعد اب وہ اسلامیات کے نصاب کا بھی تیاپانچا کرنا چاہتی ہے۔

اب ۱۳/ اگست کو جب وزیر وفاقی تعلیم نے سنگل نیشنل کریکولم کو سرکاری طور پر جاری کر کے انٹرنیٹ پر ڈالا تو ماہرین نصابیات نے اس کا جائزہ لینا شروع کر دیا ہے اور خالص ٹیکنیکل سطح پر سنجیدہ اعتراضات سامنے آ رہے ہیں اور حکومتی دعوؤں کی قلعی کھل رہی ہے۔ ہر

طرف سے اعتراضات کی بوچھاڑ کے بعد اور خاص طور پر اشرافیہ کے حلقوں سے جو نام نہاد مخالفانہ انگریزی پریس کے مضامین اور ٹوئیٹس کا ایک ختم نہ ہونے والا سلسلہ شروع ہوا تو جناب شفقت محمود وزیر وفاقی تعلیم نے یکے بعد دیگرے متعدد اعلان کیے:

۱۔ پہلا اعلان یہ تھا کہ ہم اولیول اور اے لیول اور دیگر بیرونی امتحانات پر کوئی پابندی نہیں لگا رہے وہ حسب معمول جاری رہیں گے۔

اب اگر بیرونی امتحانات جاری رہنے ہیں تو بیرونی نصابات کی تدریس بھی جاری رہے گی۔ تعلیم کی بیرونی سرٹیفکیشن بھی جاری رہے گی اور یکساں قومی نصاب طاقِ نسیاں رہے گا۔

۲۔ دوسرا اعلان یہ فرمایا کہ ہم جو نصاب لا رہے ہیں اس کی حیثیت کور کریکولم (Core Curriculum) کی ہوگی۔ ادارے اور صوبے اگر اس میں اضافے کرنا چاہیں تو وہ آزاد ہیں اور ایسا کر سکتے ہیں۔

اس اعلان کے بعد یکساں قومی نصاب کے غبارے سے تو ہوا بالکل ہی نکل گئی۔

۳۔ پہلے بار بار اعلان ہوتا رہا کہ وفاق درسی کتب تیار کرے گا جو تمام ادارے اپنے ہاں لاگو کریں گے لیکن اب جناب شفقت محمود اعلان فرمایا ہے کہ وفاق صرف ماڈل درسی کتب تیار کر کے صوبوں کو اور اداروں کو دے دے گا۔ اب یہ متعلقہ اداروں اور صوبوں کی مرضی ہوگی کہ وہ ان کتب میں کمی بیشی کر کے اپنی ضرورت کے مطابق ڈھال کر شائع کریں اور رائج کریں۔

۴۔ سنگل نیشنل کریکولم میں وفاقی وزارتِ تعلیم نے فیصلہ کیا تھا کہ پری سکول سے ہی ذریعہ تعلیم انگریزی ہوگا۔ قومی سطح پر اس کی مخالفت ہوئی۔ ماہرین تعلیم اور اساتذہ نے مخالفت کی، صرف اشرافیہ کے سکول مالکان نے اس کی حمایت کی۔ اس پر بھی جناب شفقت محمود نے پسپائی اختیار فرمائی۔ پہلے اعلان فرمایا کہ صوبوں کو آزادی ہوگی کہ وہ جس زبان میں تعلیم دینا بہتر سمجھتے ہیں وہ زبان بطورِ ذریعہ تعلیم استعمال کریں۔ یہ بیان مبہم اور شرانگیز تھا۔ اس پر بھی لے دے ہوئی اور آخر کار وزیر محترم کو راہِ راست پر آنا پڑا اور اعلان فرمایا کہ اردو یا صوبائی زبان ذریعہ تعلیم ہوگی کیونکہ سندھ میں پہلے ہی سکول سطح پر سندھی اور اردو ذریعہ تعلیم ہیں۔

۵۔ معلوم ہوا کہ جو نام نہاد ماڈل درسی کتب تیار ہورہی ہیں وہ اردو میں لکھی جارہی ہیں اور شاید نومبر کے آخر تک مسودات مکمل کرلیے جائیں گے۔ اس کے بعد اعلان کے مطابق یہ ماڈل درسی کتب صوبوں کو اور اداروں کو مہیا کی جائیں گی اور اس کے بعد وہ اپنا پراسیس شروع کریں گے۔ اس صورتِ حال میں نہیں نظر آتا کہ مارچ تک نئے نصاب کے مطابق درسی کتب صوبائی سطح پر سرکاری اور پرائیویٹ اداروں کو مہیا کی جاسکیں گی اور حکومت کا یہ ہدف کہ مارچ ۲۰۲۱ء سے پری سکول سے پانچویں جماعت تک نیا نصاب نافذ ہوگا شرمندۂ تعبیر ہوتا نظر نہیں آتا۔

## اصل ہدف کیا ہے؟

سطور بالا کی ساری بحث سے صاف نظر آتا ہے کہ اشرافیہ (Elite School) کے سکولوں میں یکساں قومی نصاب نافذ کرنے کا کوئی پروگرام نہیں اور نہ ہی وہ ادارے ایسا کوئی نصاب اپنے ہاں نافذ کریں گے کیونکہ جب اولیول اور اے لیول کے کیمبرج کے امتحانات اور دیگر بیرونی امتحانات پر کوئی پابندی نہیں ہوگی تو اشرافیہ کے تعلیمی ادارے حسب معمول اپنا تعلیمی پروگرام جاری رکھیں گے۔

صوبائی سرکاری اداروں اور نچلے درجے کے پرائیویٹ سکولوں کا تعلق صوبائی حکومتوں اور صوبائی تعلیمی بورڈز سے ہوگا اور وہ بھی وفاقی نصاب کی روشنی میں کیا فیصلہ کرتے ہیں۔ آئین کے مطابق یہ ان کی صوابدید ہے اور اس کے لیے صوبائی قوانین موجود ہیں۔ رہ گئے دینی مدارس تو ہماری نظر میں یکساں قومی نصاب کا اصل ہدف دینی مدارس ہوں گے۔ پچھلے سال کے آخر میں وزارتِ وفاقی تعلیم اور اتحاد تنظیمات مدارس پاکستان کے درمیان جو تحریری معاہدہ ہوا ہے اس میں صراحت کے ساتھ یہ شق موجود ہے کہ دینی مدارس اپنے ہاں سنگل نیشنل کریکولم نافذ کریں گے لہٰذا اب تان یہاں آکر ٹوٹ رہی ہے کہ:

۱۔ اشرافیہ کے تعلیمی ادارے حسب معمول اولیول اور اے لیول اور دیگر بیرونی امتحانات کے لیے اپنے طلبہ کو تیار کرتے رہیں گے اور اس صورت میں ظاہر ہے یکساں قومی نصاب ان کے ہاں نافذ نہیں ہوگا اور نہ ہی ان کے موجودہ ذریعہ تعلیمی کی پالیسی میں کوئی فرق پڑے گا۔

۲۔ صوبائی حکومتیں اپنی ضروریات کے مطابق یکساں قومی نصاب اور ماڈل درسی کتب میں ترمیم واضافہ کرسکیں گےاور کریں گے۔

۳۔ دینی مدارس معاہدے کے مطابق وزارتِ وفاقی تعلیم کا تیار کردہ نصاب اور درسی کتب اپنے ہاں نافذ کرنے کے پابند ہیں۔ان کے امتحانات کے لیے الحاق بھی فیڈرل امتحانی بورڈ سے ہوگا لہٰذا آخری صورتِ حال کے مطابق یہ سارا دھندا محض دینی مدارس کو کنٹرول میں لانے کے لیے ہورہا ہے۔ باقی رہا یکساں قومی نصاب اور یکساں نظام تعلیم تو وہ پہلے کی طرح ایک خواب ہی رہے گا۔ اب یہ دینی مدارس کے وفاقوں ، دینی تنظیمات اور دینی سیاسی جماعتوں کا کام ہے کہ وہ اس مسئلہ پر غور کریں اور قومی مفاد میں درست فیصلوں کے لیے حکومت پر دباؤ ڈالیں۔

اگر یہ صورتِ حال چلتی رہی تو خاکم بدہن دینی تشخص کو بہت بڑا دھچکا لگے گا۔ہم دینی مدارس کی موجودہ صورتِ حال سے بالکل مطمئن نہیں ہیں اور چاہتے ہیں کہ نصاب،تدریس اور امتحانات کی سطح پر اصلاح ہولیکن ہم یہ بھی نہیں چاہتے کہ اصلاح کے نام پر ان اداروں کا ملی اسلامی رول اورغریب طبقے کے بچوں کے لیےان کی خدمات کو ہی ختم کر دیا جائے۔ جو معاہدہ اتحاد تنظیمات مدارس پاکستان اور وزارتِ وفاقی تعلیم کے مابین ہوا ہے اس میں ایسی شقیں موجود ہیں جن کے نتیجے میں دینی مدارس کا مستقبل خطرے میں پڑسکتا ہے۔

------------------

مجھ کو معلوم ہیں پیرانِ حرم کے انداز
ہو نہ اخلاص تو دعوائے نظر لاف و گزاف

اور یہ اہل کلیسا کا نظامِ تعلیم
ایک سازش ہے فقط دین ومروّت کے خلاف!

فطرت افراد سے اِغماض بھی کرلیتی ہے
کبھی کرتی نہیں ملّت کے گناہوں کو معاف!

(اقبالؒ)

تعلیم و تربیت　　مدیر

# علماء کرام کی مغربی تہذیب اور جدید تعلیم سے بے خبری

## علماء کی ایک کمیٹی کی یکساں قومی نصاب پر افسوسناک رپورٹ

ہمارے محترم مولانا زاہد الراشدی صاحب نے اپنے تین احباب پر مشتمل ایک کمیٹی تشکیل دی تاکہ وہ یکساں قومی نصاب کا جائزہ لے کر رپورٹ پیش کرے۔ اس کمیٹی میں ایک صاحب سکول میں اسلامیات کے استاد تھے، ایک مفتی صاحب مدرسہ میں پڑھاتے تھے اور تیسرے صاحب کالج میں اسلامیات کے لیکچرر تھے۔ انہوں نے رپورٹ پیش کی کہ یکساں قومی نصاب کا پرائمری کا اسلامیات کا نصاب بہت اچھا ہے اور باقی مضامین کے متعلق راقم اور اس کے ساتھی پروفیسر ملک محمد حسین صاحب نے جو کتاب طبع کی ہے اور نصاب کو ہیومنزم کی اقدار پر مبنی قرار دیا ہے، اس میں زیادہ وزن نہیں۔ چنانچہ حکومت کے سیکولر حلقوں پر جب ہم اعتراض کرتے ہیں تو وہ جواب دیتے ہیں کہ علماء کرام تو ہمارے نصاب کی تعریف کرتے ہیں آپ خواہ مخواہ ہم پر دباؤ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اب ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ مغربی فکر و تہذیب کا تنقیدی مطالعہ ہمارے دینی مدارس میں نہیں ہوتا (بلکہ جدید تعلیمی اداروں میں بھی نہیں ہوتا) اور مزید یہ کہ ہمارے دینی عناصر دینی مدارس میں چند ہزار (یا چند لاکھ) طلبہ کو تعلیم دے کر سمجھتے ہیں کہ انہوں نے الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ﴾ کا حق ادا کر دیا ہے حالانکہ جو کروڑوں مسلمان پاکستانی بچے جدید تعلیمی اداروں میں پڑھ رہے ہیں، ہمارے دینی عناصر ان کے لیے کچھ بھی نہیں کر رہے۔ جدید تعلیم کو اسلام کے مطابق ڈھالنا عصر حاضر کی ایک بہت بڑی ضرورت اور چیلنج ہے لیکن علماء کرام کی اس طرف توجہ ہی نہیں۔ وہ اسے کوئی ضروری دینی کام سمجھتے ہی نہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ انہیں جدید تعلیم کے مسائل کا پتا ہی نہیں۔

دوسری طرف مغرب اسلام اور مسلمانوں کا دشمن ہے اس کی حکومتیں، تھنک ٹینک، ڈونر ایجنسیاں اور این جی اوز پاکستان جیسے ملکوں کے جدید نظام تعلیم کو اپنے رنگ میں ڈھالنے

کے لیے کثیر سرمایہ صرف کررہی ہیں۔ انہوں نے لوکل این جی اوز بنائی ہوئی ہیں جو ان کے مقاصد کے لیے کام کررہی ہیں، ان میں بعض علماء اور ان کے مصاحبین بھی شامل ہیں۔ پاکستان کے یکساں قومی نصاب کو اپنی مرضی کے مطابق بنانے کے لیے وہ ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی ہیں۔ خود ہمارے مرکزی وزیر تعلیم معروف سیکولر اور لبرل آدمی ہیں۔ انہوں نے اپنے اردگرد ایسے لوگوں کو اکٹھا کررکھا ہے جو ان کے ہم خیال ہیں جیسے آغا خاں فاؤنڈیشن، بیکن ہاؤس سکول سسٹم، لمز یونیورسٹی وغیرہ۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ پاکستان کی ۷۳ سالہ تاریخ میں پہلی دفعہ ہوا ہے کہ نصاب سازوں نے علی الاعلان 'ویلیوایجوکیشن' نامی انگریزی کتابچے میں کہا ہے کہ وہ ہیومنزم کی اقدار کو نصاب میں سموئیں گے اور انہوں نے سمو کر دکھا دیا ہے۔ ہمارا سوال مولانا زاہدالراشدی صاحب کی کمیٹی کے ارکان سے یہ ہے کہ کیا انہوں نے

۱۔ 'Values Education' نامی کتابچے کا مطالعہ کیا ہے؟

۲۔ کیا انہوں نے 'ہیومنزم' پر کچھ لٹریچر کا مطالعہ کیا ہے کہ انہیں پتہ چلتا کہ ہیومنزم کیا ہوتا ہے اور اس کی اقدار کیا ہوتی ہیں؟

۳۔ کیا انہوں نے وزارت کی تیار کردہ دیگر مضامین کے نصاب کی کتابیں دیکھی ہیں؟

۴۔ کیا ہم نے اپنی کتاب میں ہیومنزم اور اس کی اقدار کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے۔ کیا انہوں نے وہ توجہ سے پڑھا ہے؟

ہمیں یقین ہے کہ ان سب سوالوں کا جواب نفی میں ہے کیونکہ اگر انہوں نے یہ سب پڑھا ہوتا تو ان کی رپورٹ مختلف ہوتی۔

ہم ادب کے ساتھ لیکن اصرار کے ساتھ علماء کرام کی خدمت میں گزارش کرتے ہیں کہ وہ مغربی فکر وتہذیب کا مطالعہ کریں اور جدید تعلیم، اس کی اہمیت اور اس کے مسائل کا مطالعہ کریں۔ اس پر وسیع لٹریچر اب اردو میں بھی موجود ہے۔ نو دس کتابیں تو راقم ہی کی لکھی ہوئی ہیں جو اس کی تیس سالہ محنت کا نتیجہ ہیں۔ کسی عالم کو زیب نہیں دیتا کہ وہ کسی معاملے کے مالہ وماعلیہ کو جانے بغیر اپنی رائے دے۔

تعلیم و تربیت

محمد عاصم حفیظ

# ہمارے تعلیمی ادارے - قحبہ خانے یا مقتل؟

[ہمارے حکمران، ماہرین تعلیم اور دینی تحریکیں مخلوط تعلیم ختم کرنے پر غور کیوں نہیں کرتیں؟]

کراچی کی ایک یونیورسٹی طالبہ کی خودکشی ملکی سطح کا ایشو بن چکی ہے۔ پی ایچ ڈی کی طالبہ نادیہ اشرف نے اپنے سپروائزر ڈاکٹر اقبال چوہدری کے بے جا اور ناجائز مطالبات سے تنگ آ کر خودکشی کر لی۔ اس نے اپنی پوسٹ میں لکھا کہ سپروائزر شائد ان کی ڈگری مکمل نہیں ہونے دینا چاہتے۔ پتہ نہیں وہ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟ ابھی اس معاملے کی تحقیقات ہونا باقی ہیں۔ سپروائزر کے مطالبات کے حوالے سے بھی مستند تحقیقات کے بعد ہی پتا چلے گا لیکن یہ معاملہ اب قومی سوشل و دیگر میڈیا پلیٹ فارمز پر خوب ڈسکس ہو رہا ہے۔ اسی دوران یونیورسٹی آف میانوالی کی ایک طالبہ کی ٹویٹ سامنے آئی ہے جس میں اس نے دعوی کیا ہے کہ ان کی کلاس کی 16 طالبات زوالوجی کے ایک پروفیسر کی جنسی ہوس کا نشانہ بن چکی ہیں اور یہ سلسلہ جاری ہے۔ اس طالبہ نے سوال کیا ہے کہ کوئی ہے جو ہمارا ساتھ دے؟

چند روز قبل ہی لاہور کے ایلیٹ لاہور گرامر سکول کی طالبات کی جانب سے سوشل میڈیا پر اپنے مرد اساتذہ پر سنگین الزامات لگائے گئے۔ ان طالبات نے کئی ٹیچرز کی مذموم حرکتوں کو بے نقاب کیا اور پھر اس واقعے کی گونج ایوان وزیر اعلی تک سنی گئی۔ ٹیچرز گرفتار ہوئے اور ان کے خلاف کارروائی جاری ہے۔ میانوالی یونیورسٹی کی ہی ایک طالبہ نے کچھ عرصہ قبل ایک پروفیسر کی باقاعدہ ویڈیو بنا کر سوشل میڈیا پر شیئر کر دی تھی جس میں وہ اس طالبہ کے ساتھ شرمناک حرکات میں ملوث تھا۔ سرگودھا کے ایک نجی کالج کی طالبہ کو بھی دھوکے سے کالج بلا کر ہوس کا نشانہ بنایا گیا۔ اسی طرح پشاور یونیورسٹی کی ایک طالبہ کی تحریر بھی سوشل میڈیا پر گردش کر رہی ہے جس میں اس نے بتایا ہے کہ کس طرح بار بار اسے ایک ہی مضمون میں فیل کیا گیا اور پروفیسر نے ناجائز مطالبات نہ ماننے پر اسے اذیت سے دوچار کر دیا۔ اسی طرح کا ایک کیس کچھ عرصہ قبل سرگودھا یونیورسٹی میں بھی پیش آیا جب ایک مضمون کے پروفیسر نے کئی طالبات کو بار بار ایک ہی سبجیکٹ میں فیل کیا جس پر وائس چانسلر نے ایکشن لیتے ہوئے ان طالبات کو نجات دلائی۔

ایسے واقعات تواتر سے پیش آ رہے ہیں ۔ یہ درندے درسگاہوں کے مقدس ماحول کو داغدار کر رہے ہیں ۔ استاد شاگرد کے پاکیزہ رشتے کو پامال کر رہے ہیں ۔ ارباب اختیار کو اب اس حوالے سے سنجیدہ کوششیں کرنا ہوں گی ۔ ایسا میکنزم بنایا جائے کہ طلبہ وطالبات اس طرح کی دست درازی سے بچ سکیں ۔ تعلیمی اداروں میں ایسا انتظام ہونا چاہیے جہاں ایسے کیسز کو دیکھا جائے ۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ بعض اوقات گروپ بندی، کسی دوسرے کے اکسانے اور بعض مذموم مقاصد کے تحت اساتذہ پر جھوٹے الزامات لگائے جاتے ہیں اور ان کی عزت اچھالنے کی کوشش کی جاتی ہے ۔ اس سلسلے کا بھی سدباب ہونا چاہیے ۔ ایم اے او کالج کے ایک معزز پروفیسر صاحب نے جھوٹے الزام اور بدنامی کے خوف سے خودکشی کر لی تھی ۔ شاید اب وقت آ گیا ہے کہ تعلیمی اداروں میں اس حوالے سے احتساب کا سلسلہ شروع کیا جائے ۔

بنیادی مسئلہ طلبا وطالبات کا ڈر ہے کہ اگر ٹیچر کے خلاف شکایت کی تو انتظامیہ ان کے خلاف کارروائی کرے گی، انہیں فیل کر دیا جائے گا یا کوئی اور مشکل کھڑی ہو جائے گی اور اسی خوف کے تحت بہت سی طالبات دست درازی کا شکار بن جاتی ہیں ۔ دوسری جانب اساتذہ پر جھوٹے الزامات کا بھی سدباب ہونا چاہیے ۔ ان کی عزت اچھالنا، بدنام کرنا بھی مناسب نہیں ۔ جب بھی کوئی ایسا معاملہ آئے تو اسے انتہائی احتیاط سے دیکھا جائے، پرکھا جائے اور ایکشن لیا جائے ۔ جو بھی قصور وار ہو اسے نشان عبرت بنا دیا جائے تاکہ باقی لوگ عبرت پکڑیں ۔ والدین کو چاہیے کہ اپنے بچوں کو اعتماد اور ذمہ داری سکھائیں کہ نہ تو وہ کسی پر جھوٹا الزام لگائیں اور نہ ہی کسی کی ہوس کا شکار بنیں ۔ اسی طرح تعلیمی اداروں میں سینئر اساتذہ کی کمیٹی بنائی جائے جو کہ اس حوالے سے شعور کی بیداری کے لیے کام کرے ۔ مخلوط طرز تعلیم میں احتیاط کے تقاضے کہیں زیادہ بڑھ جاتے ہیں ۔ دوسری جانب تعلیمی اداروں کے ماحول کو مغرب زدہ سرگرمیوں، ناچ گانے، میوزک اور ہلے گلے کی بجائے سنجیدہ اور اسلامی ومشرقی روایات کا مظہر بنانے کی ضرورت ہے تاکہ ایسے واقعات سے بچا جا سکے ۔

**البرہان:** اعلیٰ تعلیمی اداروں میں بڑھتے ہوئے گند کے پیش نظر ہمارے حکمران اور ماہرین تعلیم یہ کیوں نہیں سوچتے کہ مخلوط تعلیم کو ختم کر دیا جائے اور دینی تحریکیں، طلبہ اور اساتذہ تنظیمیں یہ مطالبہ لے کر کیوں کھڑی نہیں ہوتیں؟

تعلیم و تربیت

محمد عاصم حفیظ

# ایلیٹ سکولوں کا تعلیمی مافیا جیت گیا

**ایلیٹ سکولوں اور غیر ملکی پبلشرز کی کتابوں میں خلافِ اسلام اور خلافِ پاکستان مواد کی نشاندہی کرنے والے پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ کے ایم ڈی رائے منظور ناصر کو عہدے سے ہٹا دیا گیا**

ایلیٹ سکولوں اور غیر ملکی پبلشرز کا مافیا جیت گیا۔ نصاب تعلیم میں اسلام مخالف اور متنازعہ مواد کی نشاندہی کرنے والے افسر (رائے منظور ناصر، ایم ڈی پنجاب کریکولم اینڈ ٹیکسٹ بک بورڈ) کو ہی عہدے سے ہٹا دیا گیا۔ اس بیچارے نے بڑے انگلش میڈیم سکولوں کے نصاب میں ایسے مواد کی نشاندہی کی تھی جو اسلام، نظریۂ پاکستان کے خلاف، توہین آمیز یا متنازعہ تھا۔ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نصاب میں شامل کرنا چاہتا تھا۔ ۱۰۰ کتب میں متنازعہ، اسلام مخالف یا توہین آمیز مواد کی نشاندہی کی تھی۔ باقاعدہ میڈیا کو ثبوت دیئے گئے اور ایلیٹ سکولز کی مزید کتابوں کی چھان بین کر کے رپورٹ پیش کرنے والا تھا۔

مافیا نے اپنی طاقت استعمال کی اور اسے ہی عہدے سے ہٹا دیا۔ یہ ہے ملک میں لبرل طبقے کی طاقت۔

اس سے اندازہ ہو جانا چاہیے کہ ایلیٹ کلاس پرائیویٹ سکولز اور غیر ملکی پبلشر مافیا کس قدر طاقتور ہے۔

ویسے حکومت نے اسے بڑا اقدام قرار دیا تھا اور خوب تعریفیں اور داد وصول کی تھی۔ لیکن حکومت اس لبرل و سیکولر ایلیٹ سکول مافیا کے سامنے نہ ٹک سکی۔ اپنے ہی آفیسر کو ہٹانا پڑ گیا۔۔ اس سے ایک سبق بھی دیا گیا کہ جو بھی نصاب کے حوالے سے چوں چراں کرے گا اس کا یہی حال کیا جائے گا۔ ایلیٹ سکولز کے نصاب کو دیکھنے کی جرات کوئی نہیں کر سکتا۔ وہ اسلام، تاریخ پاکستان سے متعلق جو چاہیں پڑھائیں، توہین آمیز مواد شامل رکھیں کسی کی جرأت نہیں کہ پوچھ سکے۔

لو جی پورا ہو گیا یکساں نصاب تعلیم کا خواب بھی۔

تعلیم و تربیت

سید خالد جامعی

# نصابی کتابوں میں انسانی حقوق کے منشور کی تدریس

## ساتویں جماعت سے لے کر ایم اے تک طلبہ کو مغرب کا اسلام مخالف منشورِ انسانی حقوق بلا تنقید پڑھایا جارہا ہے بلکہ اسے عین اسلامی بتایا جارہا ہے

مغرب سے ہمارا ایک بنیادی اختلاف ان کا' آزادی' کا عقیدہ ہے جو فتنوں کی جڑ ہے۔ توہین رسالت (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کا اصل سبب بھی آزادی کا عقیدہ ہے۔ علماء کرام، اسلامی تحریکوں بلکہ سارے عالم اسلام کو منشور انسانی حقوق کے عقیدۂ آزادی کا ردّ کرنا چاہیے۔ پاکستان میں ۱۹۸۵ء سے اب تک توہین رسالت کے پانچ ہزار مقدمات کا اندارج آزادی کے عقیدے کا نتیجہ ہے۔ یہ عقیدہ ہمیں اسکولوں میں پڑھایا جاتا ہے لیکن اس کی تنقید نہیں پڑھائی جاتی۔

ساتویں جماعت کے نصاب میں بچوں کو ہیومن رائٹس پڑھائے جاتے ہیں Peal Publishing کمپنی کی کتاب Social Studies for Today vol 2 کو پڑھیے۔ یہ کتاب پاکستان کے کئی اسلامی اسکولوں میں پڑھائی جارہی ہے۔ اس کا آٹھواں باب ہے Our Rights and Responsibilities۔ اس میں ذیلی سرخی ہے What are human Rights? اس سرخی کے بعد بتایا گیا ہے کہ ''ہر شخص کو مکمل آزادئ اظہارِ رائے کا حق حاصل ہے۔ ہر شخص کو مذہب بدلنے کی آزادی ہے۔ ہر شخص کو ہر جگہ جانے کی آزادی ہے۔ ہر شخص کو کسی کے ساتھ بھی باہمی رضامندی سے تعلق (Association) رکھنے کی آزادی ہے۔ ہر شخص کو تنقید کی مکمل آزادی ہے۔'' آزادی کا یہ سبق پڑھنے کے بعد اگر نوجوان سیکولر، لبرل ہورہے ہیں تو کیا غلط ہے؟ نوجوان پوچھ رہے ہیں کہ مکہ مدینہ میں غیر مسلم کیوں نہیں جاسکتے؟ ہندو اور قادیانی کے ساتھ شادی کیوں نہیں ہوسکتی؟ دین پر تنقید، اعتراض کی آزادی کیوں نہیں ہے؟ اسکولوں میں اسلامیات اور مطالعہ پاکستان پڑھانے والے استاد کے پاس ان سوالوں کا بالعموم کوئی جواب نہیں ہوتا۔ حالانکہ ایک سادہ جواب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کیا اس منشور حقوق انسانی پر تنقید کرنے کی اور اسے مسترد کرنے کی آزادی ہے؟ مگر اسلامی اسکولوں میں تو یہ بھی نہیں بتایا جارہا۔

## اکثر علماء انسانی حقوق کے منشور کی حقیقت سے واقف نہیں

نوجوان نسل کو اسکولوں میں کیا پڑھایا جارہا ہے، علماء اس سے واقف ہی نہیں۔ اگر واقف ہیں تو ان سوالات ومسائل سے واقف نہیں اور اگر ان سوالات سے واقف ہیں تو ان کے جوابات سے ناواقف ہیں۔ کسی دینی مکتب فکر کی جانب سے منشور انسانی حقوق کی تردید وتکفیر ہمارے علم میں نہیں۔

علماء کرام یہ بھی نہیں جانتے کہ اس منشور کی اساس Fedralist Papers ہیں۔ یہ منشور امریکی صدر روز ویلٹ کی اہلیہ ایلینا روز ویلٹ کی کوششوں سے تیار ہوا تھا، اس کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔ منشور حقوق انسانی میں کسی ایک جگہ بھی خدا، آخرت، رسالت، گناہ، ثواب، عذاب کا سرے سے ذکر نہیں لیکن اس کے باوجود اکثر علماء اسے مطابق اسلام سمجھتے ہیں۔

## منشور انسانی حقوق کی تنقید لازماً پڑھائی جائے

ہماری درخواست دینی افراد اور جماعتوں سے یہ ہے کہ اگر اسکول، کالج، مدرسے، یونیورسٹی میں منشور انسانی حقوق کے اسباق پڑھائے جارہے ہیں تو آپ اس کی تنقید بھی پڑھادیں لیکن ہم تو گویا اس منشور پر ایمان لاچکے ہیں اور بعض علماء اسے اسلام اور خطبہ حجۃ الوداع سے ثابت کررہے ہیں۔ ہیومن رائٹس جب اسکولوں کے نصاب میں شامل کرلیا گیا اور بچوں کو پڑھادیا گیا اور اس منشور انسانی حقوق کے کفر سے بچوں کو آگاہ نہیں کیا گیا تو جو بچے مطلق آزادی کے اصول کو پڑھ کر عملی زندگی میں آئیں گے اور تمام انسان اس منشور کی روشنی میں برابر (Equal) ہوں گے تو وہ رسالت مآب (ﷺ) کو اپنے برابر، اپنے جیسا سمجھیں گے یا اپنے سے برتر؟ جب وہ پڑھیں گے کہ ہر شخص کو ہر قسم کے خیالات، افکار، جذبات پیش کرنے، پھیلانے کی اور کسی پر بھی تنقید کرنے کی آزادی ہے اور ہر شخص جب چاہے، جو چاہے مذہب اختیار کرسکتا ہے اور اختیار کردہ مذہب میں جو چاہے ترمیم کرسکتا ہے، جس سے مرضی چاہے شادی کرلے، خواہ اس کا کوئی مذہب، کوئی نسل ہو، تو ہماری نئی نسل کیا کرے گی؟ اس کے کفر کی ذمہ داری کس پر ہوگی؟ نہ کوئی تنقید ہورہی ہے، نہ اس کی تکفیر ہورہی ہے بلکہ اسے پورے عالم اسلام میں نہایت عزت سے دیکھا جارہا ہے اور اس کی مذہبی توجیہات پیش کی

جارہی ہیں۔ عالم عرب اور ہندوستان اس کام میں سب سے آگے ہیں۔

## اے لیول، او لیول کی لڑکیوں کے سوالات

مسئلہ صرف انسانی حقوق کے منشور کی تعلیم پر ختم نہیں ہوجاتا۔ اے لیول، اولیول اسکولوں میں اسلامیات کے نصاب میں ایسی کتابیں پڑھائی جارہی ہیں جن سے پوری اسلامی تاریخ اور اسلامی علمیت پر سولات، شبہات پیدا ہورہے ہیں۔ حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بارے میں ان کتابوں میں لکھا ہے کہ وہ رسالت مآب (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کی نعوذ باللہ (Concubine) تھیں۔ لڑکیاں اسلامیات کے اساتذہ سے سوال پوچھتی ہیں: ''کیا واقعی ایسا تھا؟'' لیکن وہ جواب نہیں دے سکتے۔ کچھ کتابوں میں لکھا ہے کہ وہ Sex Slave تھیں۔ طالبات اس پر بھی سوالات پوچھتی ہیں مگر انہیں کوئی جواب نہیں ملتا۔ اسلامیات کی ایک کتاب میں لکھا ہے کہ حضرت عائشہؓ بہت خوبصورت تھیں اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم انہی سے محبت کرتے تھے۔

فیلڈ مارشل ایوب خان نے بھی ایک مرتبہ ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی کو بلا کر یہی سوال کیا تھا کہ ایک انگریزی کتاب میں حضرت ماریہ قبطیہؓ کو (Concubine) کیوں لکھا ہے؟ یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ اس کا جواب لے کر آؤ۔ قریشی صاحب نے حسن مثنیٰ ندوی اور مولوی عبدالقدوس ہاشمی کو طلب کیا اور بتایا کہ ایوب خان سخت ناراض ہیں، اس کا جواب مانگا ہے۔ دونوں حضرات دن رات تحقیق کرتے رہے اور آخر میں ایک مقالہ حسن مثنیٰ ندوی نے تیار کیا جس میں ثابت کیا گیا تھا کہ ماریہ قبطیہؓ رسالت مآب کے نکاح میں آئی تھیں، زوجہ تھیں۔ یہ واقعہ خود حسن مثنیٰ ندوی نے ہمیں سنایا۔ افسوس ہے کہ اکیسویں صدی میں ہم ایسے جاہلانہ سوالات کا جواب بھی نہیں دے سکتے! غلط سلط تحقیقات پیش کرکے غلام احمد پرویز کی طرح لوگوں کو مطمئن کردیتے ہیں۔

## مطالعۂ پاکستان میں کیا پڑھایا جارہا ہے؟

مطالعۂ پاکستان میں مسلمان بادشاہوں کے واقعات کی ایسی تصویر کشی کی گئی ہے کہ طلباء بادشاہوں اور بادشاہت سے نفرت کرنے لگتے ہیں لیکن ان کتابوں میں جمہوریت کی خونی

تاریخ پر ایک لفظ نہیں لکھا جاتا۔ مثلاً شاہ جہاں کے بارے میں اورنگ زیب کے طرز عمل کو کتاب میں اس طرح لکھا گیا ہے جیسے اورنگ زیب ایک بہت ظالم حکمران تھا جس نے اپنے بھائی کو جان بوجھ کر اقتدار کے لیے قتل کر دیا تھا۔ میدان جنگ کے واقعات کو غلط تناظر دے کر یہ بتایا گیا ہے کہ اورنگ زیب نے باپ کو پینے کا پانی بھی نہیں دیا اور جب باپ نے دہائی دی تو اس نے مختصر جواب میں کہا:It is your own fault

کتاب میں تمام تاریخی حقائق کو نظر انداز کر کے صرف یہ لکھا ہے کہ بے گناہ شاہ جہاں جو اورنگ زیب کا باپ تھا، آگرہ کے قلعہ میں نظر بند تھا اور پھر بتایا گیا کہ وہ اپنے اپارٹمنٹ سے حسرت کے ساتھ تاج محل کو دیکھتا رہتا تھا۔

His eyes fixed on Taj Mahal while he could see it from his apartment.

پہلے قلعے Fort کا ذکر ہوا پھر قلعے کو مصنف نے ایک ہی لمحے میں Apartment میں تبدیل کر دیا۔ اس کے بعد کتاب میں ایک تصویر دے دی۔ ایک جھروکا ہے جس سے تاج محل نظر آ رہا ہے۔ اس تصویر کو غم انگیز اور درد انگیز کرنے کے لیے عبارت لکھی گئی۔

The view from Shah Jahan's prison looking towards Taj Mahal

داراشکوہ کے عقائد، سازش، جنگ، اورنگ زیب کو قتل کرنے کی کوشش، اس تمام پس منظر کو نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ کتاب میں یہ نہیں بتایا گیا ہے کہ شاہ جہاں کو ممتاز محل سے بہت محبت تھی لہٰذا شاہ جہاں کو خاص طور پر تاج محل کے قریب رکھا گیا تھا مگر تحریر اور تصویر اورنگ زیب کے رویے کو ظالم بتا رہی ہے۔ تاریخ کیسے پڑھائی جائے؟ تاریخی واقعات کس طرح سمجھائے جائیں؟ یہ خود ایک نہایت اہم موضوع ہے جس پر غور ہونا چاہیے۔

ہماری کتابوں میں بچوں کو یہ کچھ پڑھایا جا رہا ہے اور اس کا جواب ہمارے اساتذہ کے پاس نہیں ہے۔ نہ نصابی، تحقیقی، تعلیمی ادارے اس موضوع پر کام کر رہے ہیں۔ بچے جب تاریخ، مطالعۂ پاکستان، اسلامیات پڑھتے ہیں تو ان کے ذہن میں بے شمار سوالات شبہات اشکالات متن میں بچھی ہوئی بارودی سرنگوں کے ذریعے پیدا کر دیے جاتے ہیں کہ استاد بھی ان

سے لاعلم ہوتا ہے۔

اساتذہ، دینی سکولوں اور نصابی تحقیقاتی اداروں کی بنیادی ذمہ داری ہے کہ وہ ایسے تمام سوالات کا ایک Data Bank بنائیں اور اہل علم سے رجوع کرکے ان سے جوابات لکھوائیں۔ آج کا طالب علم جب اپنی تہذیب، علمیت، اسلام اور تاریخ کے بارے میں یہ کچھ پڑھے گا تو وہ لبرل ہوگا یا مسلمان؟ اسے اسلامی تاریخ سے محبت ہوگی یا نفرت؟ وہ اپنے ماضی پر فخر کرے گا یا شرم سے پانی پانی ہوگا؟

## منشور انسانی حقوق میں بیان کردہ حقوق اللہ کی طرف سے آئے ہیں

یہ حقوق کہاں سے آئے ہیں، اس بارے میں کچھ پتہ نہیں۔

ساتویں جماعت کے اسکول کی کتاب میں ''منشور انسانی حقوق'' کا خالق امریکہ کو بتایا گیا ہے۔ USA کا اعلان آزادی ۱۷۷۶ء اس منشور کی بنیاد بنا۔ بچوں کو اس باطل منشور انسانی حقوق کے مآخذ کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ حقوق خالق کائنات خدا کی طرف سے آتے ہیں یعنی منشور انسانی حقوق کے کفر کا مآخذ (معاذ اللہ) اللہ تعالیٰ ہے۔

That rights come form the creator God [p. 113]

سبق میں لکھا ہے:

Where do Human Rights come form? [p. 113]

اس سوال کے جواب میں کہ انسانی حقوق کہاں سے آئے ہیں، پہلے کتاب بتاتی ہے کہ خدا کے یہاں سے، پھر اس کے بعد بتاتی ہے کہ اس سوال کا کوئی مطلق (Absolute) جواب موجود نہیں بس مختلف نظریات، خیالات اور افکار ہیں۔

حقوق انسانی کہاں سے آئے، کچھ معلوم نہیں۔ مختلف نظریات ہیں البتہ امریکی اعلان آزادی بتاتا ہے کہ یہ حقوق خدا کے پاس سے آئے ہیں۔ کتاب میں بتایا گیا ہے کہ مسلمان قرآن کو انسانی حقوق کا مآخذ ثابت کرتے ہیں۔ ان عبارتوں سے یہ ثابت کردیا گیا کہ انسانی حقوق کے منشور کا ماخذ اللہ اور اسلام ہے۔ یہی اس کتاب کا اصل مقصد ہے یعنی منشور کے ماخذ پر، حقوق پر امریکہ، اسلام اور پوری دنیا، پوری انسانیت متفق ہے۔ اسکول کے نصاب میں

منشور انسانی حقوق کے بارے میں اتنے تضادات موجود ہیں لیکن اسکول کے اساتذہ ان تضادات کو بھی واضح نہیں کر سکتے۔ وہ خود اس منشور سے مرعوب ہیں اور اسے عین اسلامی سمجھتے ہیں۔

## اوباما نے اپنی تقریر میں ''آزادی'' کا اصل مطلب بتایا

سابق امریکی صدر اوباما نے اقوام متحدہ میں ترکی کے طیب اردوان، مصر کے محمد مرسی، ایران کے احمدی نژاد، آصف زرداری کے سامنے اعلان کیا کہ ''آزادی پوری دنیا کا عقیدہ ہے۔ سب اس عقیدے کو مانتے ہیں۔ یہ عالمی، آفاقی عقیدہ ہے۔ منشور انسانی حقوق میں آزادی کے عقیدے کے مطلب میں رسول کی توہین کی آزادی بھی شامل ہے اور توہین رسالت کے مسئلے کا حل صرف یہ ہے کہ توہین رسالت کی اور آزادی دو اور آزادی دو'' امریکی صدر کی یہ تقریر تمام مسلم حکمرانوں نے سنی لیکن سب خاموش رہے۔ یہ ہے آزادی کا مطلب۔ کیا منشور انسانی حقوق میں ''آزادی'' کا یہ مطلب اسلامی اسکولوں میں پڑھایا جا رہا ہے؟

## انسانی حقوق بنانے اور مسلط کرنے والی قوموں نے دنیا پر کتنے مظالم کیے اور کیوں کیے؟

ساتویں جماعت میں ان کافرانہ عقیدوں کو پڑھنے کے بعد اور ان کو ایک عالمگیر سچائی تسلیم کرنے کے بعد کیا بچے کا دین ایمان عقیدہ اسلام رہ سکتا ہے؟ علماء اور دینی جماعتیں ان مباحث سے بالکل لاتعلق ہیں۔

ایک جانب مغرب کو انسانی حقوق کا علمبردار ثابت کیا جا رہا ہے کیونکہ ساتویں جماعت کی اس کتاب میں انسانی حقوق کے منشور کے بارے میں یہی لکھا ہے کہ اس منشور نے انسانوں کو ظلم و استیصال سے بچایا ہے مگر کتاب میں یہ نہیں بتایا گیا ہے کہ اس منشور کو بنانے والی قوموں نے اور دنیا بھر پر اس کو مسلط کرنے والوں نے دنیا پر کتنے مظالم کیے ہیں اور کیوں کیے ہیں؟ انسانی حقوق کے نام پر اربوں لوگوں کا قتل عام کیا گیا ہے۔ مغرب کی لبرل اقوام نے دنیا کے ساتھ کیا کیا؟ لبرل ازم اصلاً دہشت گردی ہی ہے۔ دہشت گردی کے لیے کسی عقلی دلیل کی ضرورت نہیں وہ تو Taken for granted ہے۔

اسی اصول کے تحت امریکہ اور تمام مغربی استعماری قوموں نے گزشتہ پانچ سو سالوں

میں دنیا بھر میں تاریخ انسانی کی سب سے بدترین دہشت گردی کی ہے۔ دیکھیے تفصیل کے لیے....

حیرت ہے کہ یونیورسٹی میں پڑھنے والے تحقیق کے طلبہ اور اسلامی تحریکیں بھی لبرل ازم کے اصل چہرے سے واقف نہیں۔

## وہ شخص پاگل ہے جو کام نہ کرے اور پیسے نہ کمائے

لبرل ازم کا سب سے بڑا سیاسی فلسفی جان رالس کہتا ہے کہ عورتوں کو عورتوں والے کام کرنے سے روکنے کا طریقہ جبر، تشدد اور ظلم نہیں۔ اسے بس مرد جیسا بنادو، یہ کام تعلیم ترقی اور نوکری کرلے گی اور عورت خود ہی عورت والے کام ختم کردے گی۔ اس سے معاشی ترقی ہوگی یہ عورت خود ہی بچہ نہیں پیدا کرے گی۔ وہ لبرل ازم جس کا ''منشور حقوق انسانی'' عورت کو آزادی، مساوات، ترقی کے عقیدوں میں مبتلا کر کے اسے بچہ پیدا نہ کرنے پر اکسار ہا ہے اس پر اسلامی اسکولوں میں کوئی تنقید نہیں ہورہی۔ جدید تعلیم، جدید ریاست، آزادی، مساوات ترقی کے ذریعے رالس کے لبرل ازم کو مسلط کرہی ہے۔ پوری دنیا میں یہی ہورہا ہے۔ عورت تعلیم حاصل کرتی ہے، نوکری کرتی، گھر سے نکلتی ہے اور بچے پیدا کرنا نہیں چاہتی کہ اس سے آزادی اور ترقی متاثر ہوتی ہے۔ اسے تعلیم اور نوکری پر کون مجبور کررہا ہے؟ لبرل معاشرے، لبرل ریاست اور منشور حقوق انسانی کے تحت لوگوں کو ''عبد'' یعنی اللہ کا نیک بندہ بنانے کی بجائے ''Human'' بننے پر مجبور کرنے کا جبری طریقہ تعلیم اور نوکری ہے۔ اسی لیے اس صدی کا سب سے بڑا فلسفی فوکالٹ لکھتا ہے کہ کام کا نہ ہونا پاگل پن (Madness) ہے اور مغرب میں کام (Work) کا مطلب وہ عمل ہے جس سے آمدنی، سرمایہ، Capital پیدا ہو۔ کیوں کہ جان رالس نے لکھا ہے کہ وہ شخص اپنی نظروں میں خود عزت کے قابل نہیں ہے، اگر اسے چار بنیادی خیر حاصل نہ ہوں۔

1. Income    2. Wealth    3. Power    4. Authority

اگر عورت گھریلو ہے، گھر کے کام کرتی ہے تو اسے ورکر (Worker) تسلیم نہیں کیا جاتا۔ یہ پاگل ہے جو سرمایہ نہیں کماتی۔ اسی لیے ایسی عورت Working Woman نہیں

کہلاتی۔

کیا اسلامی جماعتیں، ان کے مفکرین، تعلیمی ادارے، ان کے کنٹسلٹنٹ دوسرے کاموں میں مصروف رہیں گے یا ان مسائل پر بھی کچھ لکھیں گے؟ اسلامی، تحقیقی، علمی، نصابی کام کرنے والے اداروں کو جدید ذہن میں پیدا ہونے والے شبہات، سوالات کی فہرست تیار کرکے اہل علم سے ان کے جوابات لکھوائے جا سکتے ہیں۔ خصوصاً منشور انسانی حقوق کی سادہ، سہل، عام فہم تنقید پر مشتمل کتابچے اور گائیڈیں اساتذہ کے لیے تیار کرکے ان کی باقاعدہ تربیت کرنی چاہیے۔ یہ فکری کام انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔

منشور حقوق انسانی میں جس ''انسان'' کو حقوق (Rights) دیے گئے ہیں، اس ''انسان'' کی تعریف پہلے کانٹ نے اپنے مضمون ''What is Enlightenmant?'' میں پیش کردی ہے۔ حقوق انسانی صرف اس انسان کے لیے ہیں جو مذہب حقوق انسانی کو مانتا ہے اور جو اس مذہب کو نہیں مانتا، اس کے کوئی حقوق نہیں ہیں۔ کانٹ جدید، روشن خیال انسان اسے سمجھتا ہے ''جو اللہ، کتاب اللہ، وحی عالم دین سے علم حاصل کرنے کا محتاج نہیں۔ جو علم میں خودکفیل ہے۔'' جو ہدایت روشنی کے لیے اپنے سے باہر نہیں اپنے اندر دیکھتا ہے لہٰذا کانٹ نے صرف عقلیت اور تجربیت کے حاصل کو علم قرار دیا اور میٹافزکس کے علم کو جہالت قرار دیا۔ عہد حاضر کی جدید ریاست اسی لیے صرف تعلیم یافتہ، ترقی یافتہ انسان پیدا کرتی ہے، ہدایت یافتہ انسان پیدا نہیں کرتی۔ اسی لیے ہدایت سے محروم یہ انسان یورپ، امریکہ، چین، بھارت میں بوڑھے ماں باپ کو گھر سے باہر نکال کر سڑکوں پر یا اولڈ ہوم میں پھینک رہا ہے۔ چین اور بھارت میں اسی لیے Parents Protection Act بنائے گئے ہیں۔ یہ جدید تعلیم، ترقی، آزادی کا نتیجہ ہے۔

کانٹ کے مضمون کے سو سال بعد فوکالٹ نے بھی جدید انسان پر روشنی ڈالی ہے وہ بھی پڑھ لیجیے۔ اس کے خیال میں روشن خیال انسان، حقیقی انسان اور عہد روشن خیالی کا مطلب یہ ہے کہ یہ انسان اور اس کا عہد، عہد تنقید ہے۔ یہ ایمان ویقین کا نہیں اعتراض، تنقید، سوال، شبہہ، شک کا دور ہے جس سے علم بڑھتا ہے۔

تعلیم و تربیت

پروفیسر ملک محمد حسین

# اسلامیات کا نصاب

## کوئی نئی چیز نہیں پھر تنازعہ کس بات پر؟

(یہ مضمون ۱۳؍اگست ۲۰۲۰ء سے پہلے لکھا گیا جب مرکزی وزارتِ تعلیم نے نصاب کا اعلان نہیں کیا تھا)

موجودہ حکومت کے سنگل نیشنل کریکولم یعنی یکساں قومی نصاب تعلیم میں شامل پہلی سے پانچویں تک اسلامیات کے نصاب پر سیکولر لبرل لابی بہت لے دے کر رہی ہے۔ انگریزی اخبارات میں ڈاکٹر پرویز ہود بھائی، اے ایچ نیرّ، محترمہ عائشہ رزاق اور محترمہ گل زہرا رضوی کے علاوہ کچھ اور مضامین میں نیز مختلف لوگوں نے سوشل میڈیا پر ٹویٹس کے ذریعے سے واویلا مچایا ہوا ہے کہ اسلامیات کے نصاب میں تو دینی مدارس کے نصاب سے زیادہ مذہبی مواد دیا جارہا ہے۔ ضیاء الحق کے دور سے بھی زیادہ سکولوں میں بنیاد پرستی کی تعلیم کو فروغ دیا جارہا ہے۔ زبانی یاد کرنے کا مواد اتنا بڑھا دیا گیا ہے کہ بچے بوجھ تلے دب جائیں گے نیز ان میں رٹا بازی کی عادت راسخ ہوگی جس سے تخلیقی سوچ اور تنقیدی سوچ (Creative and Critical Thinking) طلباء میں پیدا نہیں ہوسکے گی۔ اس پر بھی واویلا ہے کہ پانچویں تک قرآن ناظرہ لازمی کردیا گیا ہے اور آگے چل کر قرآن مجید کے ترجمے اور تفسیر کی تعلیم بھی ہوگی جس سے فرقہ واریت اور شدت پسندی بڑھے گی۔

ہمیں یہ سب کچھ پڑھ کر اچنبھا ہوا کہ نیشنل کریکولم کونسل نے ابھی تک سنگل نیشنل کریکولم صیغۂ راز میں رکھا ہوا ہے اور نیشنل کریکولم پراجیکٹ ٹیم اور خود کونسل کے ارکان کے علاوہ کسی کو مذکورہ نصاب کی ہوا تک نہیں لگنے دی گئی حتیٰ کہ نیشنل کریکولم کونسل کے وہ اراکین جو تنظیمات مدارس دینیہ کی نمائندگی کرتے ہیں وہ بھی سنگل نیشنل کریکولم کے مقدس صحیفے سے لاعلم ہیں تو یہ سیکولر لبرل لابی کے سرخیلوں کو مذکورہ نصاب کی پوری تفصیل کہاں سے معلوم ہوگئی؟ حقیقت حال جاننے کی جب مزید کوشش کی گئی تو پتہ چلا کہ نیشنل کریکولم کونسل کے سیکولر اور لبرل ارکان جنہیں اسلامیات کا نصاب پسند نہیں ہے (کیونکہ اس کی تشکیل میں مختلف مسالک کے علماء کی

میٹنگ بلائی گئی اور ان سے اسلامیات کے مذکورہ نصاب کی منظوری لی گئی) انہوں نے ہی اپنے بیرونی سیکولر لبرل دوستوں کو اسلامیات کے نصاب کی کاپی مہیا کی اور اس نصاب کے خلاف میڈیا پر مخالفانہ مہم چلانے کی تحریک دی۔ وہ نصاب جو ابھی پوری قوم سے اخفا میں رکھا گیا ہے اُسے اے ایچ نیّر نے اپنے مضمون کے ساتھ سوشل میڈیا پر پوری قوم کو دکھایا۔ خیر یہ تو اس پہلو کا بیان تھا کہ سیکولر لبرل لابی کس وجہ سے اسلامیات کے نصاب کے خلاف صف آراء ہے۔ اب ہم آتے ہیں اسلامیات کے نصاب کی حقیقت کی طرف۔

## قرآن ناظرہ کی تدریس

اس معاملہ میں صورتِ حال یہ ہے کہ پرائمری سطح پر قرآن ناظرہ کی تدریس ۱۹۶۰ء سے لازمی ہے۔ ایوب خان کے دورِ حکومت میں ناظرہ قرآن کی تعلیم لازمی قرار دی گئی۔ اس وقت تین سال تک گرمی کی چھٹیوں میں تمام پرائمری سکول اساتذہ کو قرأت اور تجوید کی تربیت کرائی گئی اور یہ تربیت دینی مدارس میں ہوئی۔ اساتذہ کے لیے قانون بنایا گیا کہ تربیت اساتذہ کے اداروں میں داخلے کی لازمی شرط ہوگی کہ امیدوار نے ناظرہ قرآن پڑھا ہو اور داخلے کے وقت اس کا باقاعدہ ٹیسٹ ہوتا تھا۔ سکولوں میں تعلیم القرآن کے لیے ٹائم ٹیبل میں زیرو پیریڈ ہوتا تھا جو شاید اب بھی چل رہا ہے۔ لہٰذا پرائمری سطح پر ناظرہ قرآن کی تعلیم اب لازم نہیں کی جا رہی۔ ۲۰۱۷ء تک تو ناظرہ قرآن کی تعلیم ایک انتظامی حکم کے تحت لازمی تھی لیکن ۲۰۱۷ء میں پارلیمنٹ ایکٹ کے ذریعے سے قانون سازی کی گئی کہ پرائمری تک ناظرہ قرآن کی تعلیم لازمی ہوگی اور چھٹی سے بارھویں تک ترجمہ قرآن ایک لازمی مضمون کی حیثیت سے پڑھایا جائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن ناظرہ کی لازمی تعلیم موجود حکومت نے نصاب میں شامل نہیں کی بلکہ یہ پہلے سے ہی پچھلے ساٹھ سال سے نصاب تعلیم کا لازمی حصہ ہے۔ البتہ اس حکومت نے یہ ظلم کیا ہے کہ قرآن ناظرہ کی علیحدہ مضمون کی حیثیت برقرار رکھنے کی بجائے اسے اسلامیات کے مضمون کا حصہ بنا دیا ہے اور اسلامیات کے لیے محض ۳۰ منٹ کے دورانیہ کا پیریڈ دیا گیا ہے۔ اس مختص وقت میں مطلوبہ تدریس ممکن نہیں ہوگی نیز اسلامیات کے نصاب کا حصہ ہونے کی وجہ سے قرآن ناظرہ کی تعلیم کی اہمیت بھی کم ہوگئی ہے۔

## اسلامیات کے باقی نصاب کی حقیقت

ہم نے اسلامیات کے نصاب کی حقیقت جاننے کے لیے ماضی کے نصابات کا جائزہ لیا

جن میں جنرل مشرف کے دورِ حکومت کا ۲۰۰۲ء کا نصاب اور مشرف ہی کے دور کا ۲۰۰۶ء کا قومی نصاب اور اس کے ساتھ پنجاب کا ۲۰۲۰ء کا نیا نصاب۔ سنگل نیشنل کریکولم میں شامل اسلامیات کے نصاب کا جب ماضی کے مذکورہ نصابات کے ساتھ موازنہ کیا گیا تو جہاں تک نصاب کے حصوں کا تعلق ہے وہ وہی تھا یعنی قرآن وحدیث کے وہ حصے جو طلبہ نے بغیر ترجمہ کے یا باترجمہ حفظ کرنا تھے، دعائیں، تیسویں پارے کی بعض سورتیں، ایمانیات وعبادات، اسوۂ حسنہ، اخلاق وآداب، حسن معاملات ومعاشرت اور ہدایت کے سرچشمے۔ ان حصوں کے تفصیلی تصورات کا اور عنوانات کو دیکھا گیا تو شاید کہیں کہیں ترتیب کے فرق کے ساتھ کوئی قابل ذکر فرق نہیں پایا گیا۔ سنگل نیشنل کریکولم کے اسلامیات کے نصاب میں ایک موضوع کا اضافہ کیا گیا ہے اور وہ ہے اسلام اور عصر حاضر کے تقاضے۔ اس موضوع کے تحت تیسری جماعت میں صحت وتندرستی، چوتھی جماعت میں صفائی و پانی کی اہمیت اور پانچویں جماعت میں حادثات سے بچنا۔ پودوں اور درختوں کی اہمیت شامل ہے۔ بہت غیر محسوس طریقے سے اسلامیات کے نصاب میں بھی ویلیوز ایجوکیشن کی سفارشات کو نرم طریقے سے ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے مثلاً حسن معاشرت کے تحت ذمہ دار شہری (Responsible) کا عنوان باندھا گیا ہے۔ ذمہ داری شہری ویلیوز ایجوکیشن میں ہیومنزم کی اساسی قدر (Root Valve) کے طور پر دی گئی ہے جس کے متعلق عزم ہے کہ پورے نصاب میں (Cross Cutting Theme) یعنی نصاب کے تانے بانے میں پھیلی ہوئی اقدار ہوں گی۔ یہاں ذمہ دار شہری کی بجائے ذمہ دار مسلمان یا اسلام کا انسان مطلوب بھی ہوسکتا تھا۔

ہم نے اختصار کی خاطر ماضی کے نصابات اور سنگل نیشنل کریکولم کے اسلامیات کے نصاب کے مندرجات پر مبنی موازنہ کے جدول (Comparative Tables) نہیں دیے۔ اگر کوئی شخص تسلی کرنا چاہے تو ۲۰۰۲ء، ۲۰۰۶ء اور پنجاب کا ۲۰۲۰ء کا نصاب انٹرنیٹ پر موجود ہے اور دیکھا جاسکتا ہے۔

مذکورہ بالا نصابات جو مختلف ادوار میں رائج رہے، ان کے مطالعہ اور موازنہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ سنگل نیشنل کریکولم میں شامل اسلامیات کا نصاب ان سے مختلف نہیں ہے، تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ سیکولر لبرل لابی اب موجودہ نصاب کے خلاف کیوں واویلا کررہی ہے۔ اس سے پہلے ایسا کیوں نہیں کیا گیا؟۔ تو جواب یہ ہے کہ اس سے پہلے بھی ایسا کیا جاتا رہا ہے۔ مختلف

فارن فنڈڈ این جی اوز اور خاص طور پر سسٹین ایبل ڈویلپمنٹ پالیسی انسٹی ٹیوٹ (SDPI) نے جس کے کرتا دھرتا ڈاکٹر ہود بھائی اور اے ایچ نیّر ہیں، پچھلے کم از کم پینتیس سالوں سے یہ کام جاری رکھا ہوا ہے۔ اب یو ایس کمیشن فار انٹرنیشنل ریلیجس فریڈیم (USCIRF) اور اس کی ہمنوا سیکولر لبرل این جی اوز اور خاص طور پر عیسائیوں کی این جی اوز مطالبہ کرتی رہی ہیں کہ پاکستان کے نصاب سے اسلامی مواد کم کیا جائے نیز اسلامیات کے علاوہ باقی مضامین کا نصاب مکمل طور پر سیکولر ہونا چاہیے۔ مذکورہ یو ایس کمیشن نے اپنی سالانہ رپورٹوں میں کئی بار ہمارے نصابات اور درسی کتب پر اعتراضات وارد کیے اور امریکی حکومت کی طرف سے دباؤ ڈال کر بہت سے اسلامی تصورات درسی کتب سے نکلوانے کی کامیاب کوشش کی۔ ۲۰۱۸،۱۹ء کی سالانہ رپورٹ میں مذکورہ امریکی کمیشن نے اطمینان کا اظہار کیا کہ ۷۰ متنازعہ اسلامی تصورات کو نکال دیا گیا ہے نیز تحریک انصاف حکومت کے سنگل نیشنل کریکولم کی تعریف کی لیکن سیکولر لبرل لابی کے سرخیل نام نہاد دانشوروں کو بھی متحرک کر دیا کہ وہ اسلامیات کے نصاب کے خلاف زہریلی مہم چلائیں۔ دوسری طرف نیشنل کریکولم کونسل اسلامیات کے علاوہ باقی سارا نصاب سیکولر بنیادوں پر آگے لا رہی ہے۔ خاص طور پر جنرل نالج اور معاشرتی علوم کا نصاب، اسلامیات کے نصاب سے ۱۸۰ درجے کے زاویے پر ہے اور مکمل طور پر سیکولر ہے۔ اسلامیات کے علاوہ باقی نصاب پر سیکولر لبرل لابی کو کوئی اعتراض نہیں ہے۔

جب کہ اسلامی حلقے اس بات پر معترض ہیں کہ نصاب میں اسلامی اقدار کی بجائے ہیومنزم کے فلسفے پر مبنی سیکولر لبرل اقدار کو نفوذ دیا جا رہا ہے۔ اس طرح تحریک انصاف کی حکومت کا پورا نصاب ہی متنازعہ بن گیا ہے۔ اگر وزارتِ وفاقی تعلیم اور نیشنل کریکولم کونسل محب وطن حلقوں کی آواز سنے اور نصاب تعلیم میں ہیومنزم کی سیکولر، لبرل اور انکارِ باری تعالیٰ پر مبنی اقدار کی ترویج کی بجائے اسلامی اقدار کو نصاب کے تانے بانے میں پھیلائے تو قوم کا یکساں قومی نصاب تعلیم کا مطالبہ پورا ہوسکتا ہے۔

## اسلامیات کا نصاب اور علمائے کرام

پاکستانی معاشرے میں دین کا شعور علمائے حق کی وجہ سے ہے۔ علمائے حق نے روکھی سوکھی کھا کر اور ہر طرح کی آزمائش جھیل کر اسلام کا علم بلند رکھا ہے۔ ایک طرف تو یہ صورتِ

حال ہے اور دوسری طرف سادگی اور خوش فہمی بھی بعض اوقات عروج پر ہوتی ہے۔ ہمارے ایک کرم فرمانے لاہور کے ایک بہت بڑے دارالعلوم کے سربراہ سے ملاقات کی اور بتایا کہ حکومت یکساں قومی نصاب کے نام پر جو نصاب لا رہی ہے وہ مغربی تہذیب کے فلسفۂ زندگی اور ہیومنزم کی اقدار کے ارد گرد ترتیب دیا گیا ہے۔ چونکہ یہ نصاب دینی مدارس میں نافذ کیا جائے گا اس لیے اس نصاب کا قبلہ درست کرنا ضروری ہے۔ اس پر شیخ محترم کا جواب تھا کہ اس نصاب میں تو قرآن کی تدریس لازمی قرار دی گئی ہے اس لیے ہماری نظر میں تو یہ نصاب بہت اچھا ہے۔ ہمارے کرم فرمانے جب توجہ دلائی کہ قرآن کی تدریس تو پہلے ہی لازمی ہے لیکن ہم دوسرے مضامین کے نصاب کی بات کر رہے ہیں تو شیخ کا فرمانا تھا کہ جب قرآن کی تدریس لازمی ہے تو باقی مضامین جیسے بھی ہوں اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ سادگی کے ساتھ یہ اس امر کی بھی نشاندہی ہے کہ علمائے حق مغربی تہذیب کی چالاکیوں اور ہمارے معاشرے میں قدم بہ قدم اس کی پیش رفت سے کماحقہٗ واقف نہیں ہیں جس سے مغربی تہذیب کے خلاف بند باندھنے والی سپاہ کو دینی کمک مناسب طریقے سے نہیں پہنچ پاتی۔

ایک اور نامور عالم دین کو جب اسلامیات کے نصاب کی کاپی میسر آئی تو انہوں نے تین افراد کی ایک جائزہ کمیٹی بنائی جس میں ایک مفتی، کالج کے اسلامیات کے ایک پروفیسر اور ایک سکول کے اسلامیات کے استاد شامل تھے۔ اس کمیٹی کے پاس محض اسلامیات کا نصاب تھا اور انہیں ویلیوز ایجوکیشن کے کتابچے اور دیگر مضامین کے نصابات کا کوئی علم نہیں تھا۔ فاضل ارکان کی کمیٹی نے اسلامیات کے نصاب کا جائزہ لیا۔ اب اسلامیات کے نصاب میں اسلام کے علاوہ تو کچھ نہیں ہونا تھا اگرچہ غیر محسوس انداز میں سیکولر اقدار کو سمونے کی کوشش کی گئی تھی، جس کا اظہار ہم سطور بالا میں کر چکے ہیں۔ فاضل ٹیم نے رائے دی کہ اسلامیات کا نصاب تسلی بخش ہے نیز انہوں نے جو مجموعۂ مضامین راقم الحروف اور ڈاکٹر محمد امین نے ''یکساں قومی نصاب۔ خدشات و مضمرات'' کے نام سے ترتیب دیا ہے اس کا صراحت کے ساتھ حوالہ دیتے ہوئے لکھا کہ ہمیں تو نصاب میں ملک محمد حسین اور ڈاکٹر محمد امین کے اس اعتراض کا کوئی ثبوت نہیں ملا کہ ہیومنزم کی اقدار کو نصاب کا حصہ بنایا جا رہا ہے۔ اگر مذکورہ فاضل ارکان نے ہماری کتاب میں شامل مضامین کو صرف پڑھ ہی لیا ہوتا تو انہیں یہ خوش فہمی نہ ہوتی کہ نصاب میں ہیومنزم کی

اقدار سموئی نہیں جا رہیں۔ دوسرا یہ کہ جب ان کے پاس ویلیوز ایجوکیشن کی رپورٹ اور باقی مضامین کا نصاب دستیاب ہی نہیں تھا تو انہوں نے یہ عمومی رائے (Sweeping Statement) کیسے دے دی۔ ایک کرم فرما سے مذکورہ بالا فاضل ارکان کی کمیٹی کی غیر حقیقی رائے کے متعلق تبادلہ خیال ہوا تو ان کا کہنا تھا کہ ہمارے بعض علمائے کرام اور اسلامی لابی کے لوگوں کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ رحمان کی رضا اور خوش نودی کے طلب گار تو ہوتے ہی ہیں لیکن ساتھ ہی وہ شیطان سے بھی کوئی کھلا بگاڑ پیدا نہیں کرنا چاہتے۔ یعنی اسلامی نظریہ کے محافظ بھی ہیں اور حکومت وقت سے بھی بنا کر رکھنا چاہتے ہیں۔ یہ رویہ اسلام، نظریۂ پاکستان اور مستقبل کی نسل کی تعلیم کے حوالے سے بہت ضرر رساں ہے اور ہماری درخواست ہے کہ علمائے حق اس معاملے میں زیادہ بالغ نظری کا مظاہرہ کریں ورنہ پانی سر سے گزر جائے گا اور بعد میں واویلا کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔

---

## بقیہ: اہل مغرب کے 'مہذب' ہونے کا افسانہ

### تہذیب اور مادی ترقی

کالم نگار کا خیال ہے کہ تہذیب اور مادی ترقی میں ایک تعلق ہے۔ یہاں ہم مغرب کے ممتاز مورخ ٹوائن بی سے رجوع کرتے ہیں۔ ٹوائن بی نے صاف لکھا ہے کہ اخلاقی زوال اور تکنیکی ترقی میں ایک ربط باہمی یا Corelation پایا جاتا ہے۔ یعنی جب کوئی قوم اخلاقی اعتبار سے قوی ہوتی ہے تو وہ تکنیکی طور پر ترقی نہیں کرتی اور جب کوئی قوم تکنیکی اعتبار سے ترقی کرتی ہے تو اس کی اخلاقی حالت اچھی نہیں ہوتی۔

جہاں تک مسلمانوں کے زوال کا تعلق ہے تو کالم نگار کے لیے اقبال کا صرف ایک شعر کافی ہے جسنے کہا ہے کہ ؎

سبب کچھ اور ہے تو جس کو خود سمجھتا ہے
زوال بندۂ مومن کا بے زری سے نہیں

تفہیم مغرب

شاہنواز فاروقی

# اہل مغرب کے 'مہذب' ہونے کا افسانہ

## ہمارے کالم نویسوں کی اکثریت قوم کی غدار ہے
## جو اہل مغرب کی دہشت گردی اور اسلام و مسلم دشمنی کے باوجود ان کے گن گاتی ہے

پاکستان کے کالم نویسوں کی اکثریت اس اعتبار سے قوم کی غدار ہے کہ انہوں نے وحشیوں اور درندوں کو 'مہذب'، کھوٹے کو 'کھرا'، کالے کو 'سفید' اور ذلت مآبوں کو 'عزت مآب' ثابت کیا ہے۔ اس سے پہلے کہ اصل بات شروع ہو ذرا جاوید چودھری کے حالیہ کالم کا یہ اقتباس ملاحظہ فرمالیجیے:

''آپ کو شام کا وہ بچہ یاد ہوگا، والد اسے کمر پر باندھ کر سمندر میں تیر رہا تھا، وہ تیر تیر کر تھک گیا، ہمت ہار گیا اور سمندر میں ڈوب گیا۔ بچہ اس کی کمر سے نکلا' وہ بھی ڈوبا اور مر گیا سمندر نے بعد ازاں بچے کی لاش ساحل پر پھینک دی، کسی فوٹوگرافر نے بچے کی لاش کی تصویر بنائی، یہ تصویر مغربی میڈیا میں شائع ہوئی اور مہذب دنیا میں کہرام مچ گیا۔ عالمی ضمیر بیدار ہوا اور دنیا شام کے مہاجرین کے لیے اپنے دروازے کھولنے پر مجبور ہوگئی۔ یورپ، امریکا، آسٹریلیا، جاپان اور عرب ملکوں نے گیارہ لاکھ شامی مہاجرین کو پناہ دی اور اس پناہ پر ان ملکوں کے اربوں روپے خرچ ہوگئے۔ یہ ستمبر 2015ء کا واقعہ تھا، مجھے آج بھی جب یہ واقعہ یاد آتا ہے تو میں سوچتا ہوں بچے کی اس لاش میں ایسی کیا چیز تھی جس نے مہذب دنیا کو اپنے دروازے شامی مہاجرین کے لیے کھولنے پر مجبور کردیا؟ میں سوچتا ہوں تو صرف ایک چیز سامنے آتی ہے اور وہ چیز ہے انسانی جان کی حرمت، دنیا کا ہر وہ ملک جس میں انسانی جان کی قدر و قیمت ہوتی ہے وہ ملک مہذب بھی کہلاتا ہے اور ترقی یافتہ بھی، جبکہ جن ملکوں میں انسان اور ان کی جانوں کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی وہ ملک کبھی ترقی کرتے ہیں اور نہ ہی تہذیب اور شائستگی کے معیار پر پورے اترتے ہیں، یہ ملک بے چارے کبھی ملک بھی نہیں بن پاتے اور ہمارے زوال کی سب سے بڑی وجہ انسانی جان کی بے قدری ہے۔ ہمارے سامنے خواہ ہزار لوگ مرجائیں ہمیں کوئی پروا نہیں ہوتی، ہمارے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی''۔(روزنامہ ایکسپریس 2 جون

(2020ء)

اس اقتباس کا مرکزی نکتہ یہ ہے کہ کالم نگار مغربی دنیا کو''مہذب'' سمجھتے ہیں اوران کا خیال ہے کہ مہذب قومیں ہی''ترقی یافتہ'' ہوتی ہیں۔مغرب چوں کہ مہذب ہے اس لیے ترقی یافتہ بھی ہے۔ہم چونکہ مہذب نہیں ہیں اس لیے ترقی یافتہ بھی نہیں ہیں:

انسانی تاریخ کے سب سے بڑے شاعر مولانا روم نے فرمایا ہے کہ اصل تہذیب احترام آدمیت ہے۔مغربی اقوام کی تاریخ میں احترام آدمیت کا کیا مقام ہے آیئے دیکھتے ہیں:

## اہلِ مغرب کی جنگ پسندی

ایرک فرام مغرب کے ممتاز ماہر نفسیات ہیں ان کی تصنیف *The Anatomy of Human Destructiveness* کو کلاسک کا درجہ حاصل ہے۔اس کتاب میں ایرک فرام نے مغربی اقوام کی''جنگ پسندی'' پر ایک نگاہ ڈالی ہے۔اس کے بقول مغرب کی ''مہذب اقوام'' نے گزشتہ پانچ سو برسوں میں 2659 جنگیں لڑی ہیں۔ان جنگوں کی تفصیل یہ ہے:

پندرھویں صدی (1480 تا 1499ء) 9 جنگیں

سولھویں صدی (1500 تا 1599ء) 87 جنگیں

سترھویں صدی (1600 تا 1699ء) 239 جنگیں

اٹھارویں صدی (1700 تا 1799ء) 781 جنگیں

انیسویں صدی (1800 تا 1899ء) 651 جنگیں

بیسویں صدی (1900 تا 1940ء) 892 جنگیں

جاوید چودھری کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ مغربی اقوام نے یہ جنگیں آپس میں لڑیں۔ان جنگوں میں دو عالمی جنگیں بھی شامل ہیں۔ان جنگوں میں''صرف'' 10 کروڑ انسان مارے گئے۔اصول ہے کہ جنگ میں ایک آدمی مرتا ہے تو تین زخمی ہوتے ہیں۔اس کے معنی یہ ہوئے کہ دو عالمی جنگوں میں 30 کروڑ انسان زخمی بھی ہوئے۔

اس سے اندازہ کی جاسکتا ہے کہ گزشتہ پانچ سو سال میں مغربی اقوام نے کتنے ٹن تہذیب پیدا کی ہے اور کتنے ٹن احترام آدمیت کا مظاہرہ کیا ہے۔

مغرب کے ایک اور ممتاز دانش ور ہیں ان کا نام مائیکل مان ہے۔ انہوں نے اپنی مشہور زمانہ تصنیف ''Dark Side of the Democracy'' میں بتایا ہے کہ مغرب کے سفید فام مہذب لوگوں نے ''Americas'' پر قبضے کے لیے ''صرف'' 10 کروڑ ریڈ انڈینز کو قتل کیا۔

امریکا سفید فاموں کو جہیز میں نہیں ملا یہ 10 کروڑ انسانوں کو قتل کر کے حاصل کیا گیا ملک ہے۔

مغرب کے ''مہذب'' لوگوں نے آسٹریلیا پر قبضے کے لیے آسٹریلیا کے اصل باشندوں یعنی ایب اور یجنلز پر وہ قیامتیں ڈھائیں کہ ان کی نسل ہی تقریباً نابود ہوگئی۔ مغرب کے ''مہذب'' لوگوں نے آسٹریلیا میں 45 لاکھ ایب اور یجنلز کو قتل کیا۔

ڈاکٹر حق حقی کی تصنیف کے مطابق مغرب کے مہذب لوگوں نے افریقہ کے چار کروڑ سیاہ فاموں اور ایک کروڑ مسلم سیاہ فاموں کو قتل کیا۔

اعداد وشمار کے مطابق امریکا نے کوریا کی جنگ میں 30 لاکھ اور ویت نام کی جنگ میں 10 لاکھ انسانوں کو قتل کیا۔

مغرب کے اپنے ذرائع ابلاغ کے مطابق امریکا نے گزشتہ 14 ماہ میں عراق، افغانستان اور پاکستان سمیت مختلف اسلامی ملکوں میں صرف 16 لاکھ مسلمانوں کو قتل کیا ہے۔

صدام حسین کے عراق میں امریکا اور اس کے مغربی اتحادیوں کی اقتصادی پابندیوں سے 10 لاکھ افراد غذا اور دواؤں کی قلت سے ہلاک ہوئے، ان میں پانچ لاکھ معصوم بچے بھی شامل تھے۔

بی بی سی کے ایک صحافی نے امریکا کی سابق وزیر خارجہ میڈلین آلبرائٹ سے پوچھا کہ آپ دس لاکھ عام افراد کی ہلاکت پر کیا کہتی ہیں؟ جاوید چودھری کی مہذب مغربی خاتون نے فرمایا:

"It is acceptable and worth it"

یعنی 10 لاکھ معصوم اور مظلوم لوگوں کی ہلاکت ''قابل قبول'' بات بھی ہے اور اس میں کوئی قباحت بھی نہیں ہے۔

یہ مغربی اقوام کی ''تہذیب'' کی چند عسکری جھلکیاں ہیں۔ جاوید چودھری اور ان جیسے ''تہذیب پرست'' مغربی اقوام کی اقتصادی دہشت گردی کی بھی چند جھلکیاں ملاحظہ کریں۔

## اہل مغرب کی اقتصادی دہشت گردی

اُتسا پٹنائک بھارت کی ممتاز محقق ہیں ان کی تحقیق کے مطابق انگریز برصغیر سے 45 ہزار ارب ڈالر لوٹ کر لے گئے۔ یہ اتنی بڑی رقم ہے کہ اس سے پورے برصغیر کی معاشی تقدیر بدلی جاسکتی تھی مگر ''مہذب انگریز'' برصغیر کی ایک ایک چیز لوٹ کر لے گئے۔

برطانیہ کے ممتاز مورخ ولیم ڈیل ریمپل نے اپنی تصنیف 'دی انارکی' میں لکھا ہے کہ جب انگریز برصغیر میں آئے تو برصغیر پوری دنیا کی کل پیداوار کا 25 فی صد پیدا کررہا تھا اور جب جاوید چودھری کے ''مہذب'' انگریز برصغیر کو چھوڑ کر بھاگے تو برصغیر پوری دنیا کی مجموعی پیداوار کا صرف ساڑھے چار فی صد پیدا کررہا تھا۔

اعداد وشمار کے مطابق مغرب کے پیدا کیے ہوئے مالیاتی اداروں نے اس وقت دنیا کی غریب اقوام کو چار ہزار ارب ڈالر کا مقروض بنایا ہوا ہے۔ غریب اور کمزور اقوام کا قرض اتنا بڑھ گیا ہے کہ وہ اسے ادا کرنے کے قابل ہی نہیں رہیں۔

پاکستان اس کی بہترین مثال ہے۔ 2019ء میں پاکستان کا قومی بجٹ 6 ہزار ارب روپے تھا۔ اس بجٹ میں سے 3000 ارب روپے صرف مغربی اقوام کے قرضوں کی مد میں ادا کیے گئے۔ ہم پر قرض نہ ہوتا تو یہ 3000 ارب روپے قوم کی تعلیم، صحت، صاف پانی کی فراہمی، ٹرانسپورٹ اور سڑکوں کی تعمیر پر خرچ ہوتے۔

ابھی قرضوں کی ادائیگی ہمارا 50 فی صد بجٹ کھا رہی ہے۔ حالات یہی رہے تو اندیشہ ہے کہ آنے والے برسوں میں قرضوں کی ادائیگی ہمارا 60 اور 70 فی صد بجٹ کھا جایا کرے گی۔

آپ نے دیکھا اقتصادی دائرے میں مغرب کی مہذب اقوام کتنی تہذیب اور کتنے احترام آدمیت کا مظاہرہ کررہی ہیں!

## مخالفوں کو کچل دو

افراد، گروہ اور قومیں اپنے ساتھ تو اچھا ہی سلوک کرتی ہیں۔ چنانچہ ان کی ''تہذیب'' کی اصل حقیقت ''دوسروں'' کے ساتھ سلوک سے ظاہر ہوتی ہے۔ بدقسمتی سے مغرب کے ''مہذب لوگ'' تہذیب کے اس معیار پر بھی پورا نہیں اُترتے۔

مغرب کے نوبل انعام یافتہ ادیب کپلنگ نے ایشیا کو بیان کرتے ہوئے کہا ہے کہ ایشیا آدھا شیطان ہے اور آدھا بچہ ہے۔ ایشیا آدھا شیطان اس لیے ہے کہ ''عیسائی'' نہیں ہے، آدھا بچہ اس لیے ہے کہ اس کے پاس ''عقل'' نہیں ہے۔ وہ عقل کے بجائے ''عشق'' میں اُلجھا ہوا ہے۔ طبیعیات کے بجائے مابعد طبیعیات میں غرق ہے۔

''دوسرے'' کے ساتھ مہذب مغرب کے تعلق کی ایک صورت یہ ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ 1095ء میں عیسائیت کے رہنما پوپ اربن دوئم نے ایک چرچ میں کھڑے ہو کر اسلام کو ایک شیطانی مذہب قرار دیا اور کہا کہ خدا نے یہ بات میرے قلب میں القا کی ہے کہ ہم شیطانی مذہب اور اس کے ماننے والوں کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیں۔

پوپ نے یورپ کی تمام اقوام کو دعوت دی کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ایک جھنڈے کے نیچے جمع ہوں اور 1099ء میں تمام یورپی طاقتیں ایک صلیبی جھنڈے کے نیچے جمع ہوئیں اور اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ان صلیبی جنگوں کا آغاز ہوا جو کم وبیش 200 سال تک جاری رہیں۔

اس کے برعکس ''غیر مہذب'' مسلمانوں نے کبھی کسی ''دوسرے'' کے مذہب کو بُرا نہیں کہا۔ مسلمانوں نے ایک ہزار سال تک ہندوستان پر حکومت کی اور ہندوازم کو ہاتھ نہ لگایا۔ مسلمانوں نے 800 سال تک اسپین کے وسیع علاقے پر حکومت کی اور ان کی ریاست میں عیسائی اور یہودی خوب پھلے پھولے مگر جیسے ہی اسپین مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل کر عیسائیوں کے ہاتھ میں گیا ''مہذب'' اہل مغرب نے مسلمانوں کے سامنے تین ''امکانات'' رکھ دیے۔ ایک یہ کہ عیسائی بن جاؤ۔ دوسرا یہ کہ اسپین سے بھاگ جاؤ۔ تیسرا یہ کہ قتل ہو جاؤ۔ بدقسمتی سے عیسائیوں نے ان تینوں امکانات ہی کو بروئے کار لا کر دکھایا۔ انہوں نے مسلمانوں کو زبردستی

عیسائی بھی بنیا، عیسائی نہ بننے والوں کو قتل بھی کیا اور کچھ کو اسپین سے نکال باہر کیا۔

آپ نے دیکھا کہ کالم نگار کے ممدوح اہل مغرب کتنے ''مہذب'' ہیں۔ تہذیب کا ایک پیمانہ یہ ہے کہ فرد، گروہ یا قوم ''کمزوروں'' کے ساتھ کیا معاملہ کرتی ہے۔ مغرب نے کمزوروں کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے اس کی کچھ مثالیں پیش کی جا چکی ہیں۔ چند مثالیں اور عرض ہیں۔

## کمزور عزت اور زندگی کے حق دار نہیں

مسئلہ مشرقی تیمور اور جنوبی سوڈان کے عیسائیوں کا ہو تو مسئلہ دو تین سال میں حل ہو جاتا ہے لیکن مسئلہ کمزور فلسطینیوں اور کشمیریوں کا ہو تو 72 سال میں بھی مسئلہ حل نہیں کر پاتے۔

خیر مہذب مغرب کمزور مسلمانوں کی مدد کو نہیں آتا تو سمجھ میں آتا ہے مگر کورونا کی وبا کے دوران مہذب مغرب تو اپنے بوڑھوں کی مدد کو بھی نہیں آیا۔ خود مغرب کے ذرائع ابلاغ کے مطابق امریکا، یورپ بالخصوص اٹلی اور برطانیہ میں حکومتوں نے بوڑھوں کو مرنے کے لیے تنہا چھوڑ دیا اور ہزاروں بوڑھے Old Houses اور Care Homes میں بے یار و مددگار مر گئے۔

یہ ہے جدید مغرب کی اصل تہذیب۔ بوڑھے ''ناکارہ'' ہیں انہیں مرنے دو۔ جوان کام آسکتے ہیں انہیں بچا لو۔ یہ ہے کالم نگار کی مہذب اور ترقی یافتہ دنیا۔

## آئیڈیلز کی بے حرمتی

تہذیب کا ایک معیار یہ ہے کہ تہذیب اپنے مثالیوں، اپنے Ideals کے ساتھ کیا معاملہ کرتی ہے ان Ideals کے ساتھ جو آفاقی ہوتے ہیں۔ مغرب کا ایک آئیڈیل آزادی ہے۔ مگر مغرب اپنے سوا کسی کو آزاد نہیں دیکھنا چاہتا۔ مغرب کا ایک آئیڈیل جمہوریت ہے۔ جمہوریت کی کہانی یہ ہے کہ مسلم دنیا میں سیکولر اور لبرل جماعت انتخابات میں کامیابی حاصل کر لے تو مغرب اسے سینے سے لگاتا ہے لیکن اگر کسی مسلم ملک میں کوئی اسلامی جماعت کامیاب ہو جائے تو مغرب یا تو انتخابات کے عمل کو مکمل ہی نہیں ہونے دیتا۔ انتخابات مکمل ہو جائیں اور اسلامی جماعت اقتدار میں آجائے تو مغرب اس جماعت کی حکومت کو فوج سے گروا دیتا ہے۔ اس تناظر میں دیکھا جائے تو مغرب اپنے Ideals پر خود تھوک دیتا ہے۔ (بقیہ صفحہ نمبر ۳۰)

ڈاکٹر زاہد صدیق مغل (۱)

تفہیم دین

# ٹی وی تبلیغ اسلام کا موزوں ذریعہ نہیں

## تصویر کے حوالے سے ملی مجلس شرعی کے مؤقف پر ایک علمی نقد

یہ مضمون ماہنامہ 'محدث' جون 2006ء کے خصوصی شمارے برائے تصویر نمبر کے تناظر میں تحریر کیا گیا ہے۔ لاہور میں تمام مکاتبِ فکر: بریلوی، دیوبندی اور اہل حدیث کے جید علماے کرام کے درمیان ایک 'ملی مجلس شرعی' منعقد ہوئی جس کا موضوع تبلیغ اسلام کے لئے جدید میڈیا خصوصاً ٹی وی کا استعمال تھا۔ چونکہ ٹی وی پر تبلیغ کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ مسئلہ تصویر کی حرمت ہے، لہٰذا مسئلہ تصویر کی شرعی حیثیت ہی اس مجلس کا اصل محور ومرکز تھا۔ گو کہ علمائے کرام کی تعبیر وتشریح کے اُسلوب میں فرق تھا، لیکن اس نقطے پر سب کا اتفاق تھا کہ فی زمانہ تبلیغ دین کی ضروریات کو پورا کرنے کے لئے ٹی وی پر آنا جائز ہے۔

اس مضمون کا مقصد مسئلہ تصویر پر اختیار کئے گئے موقف کی بجائے علمائے کرام کے اس مفروضے کا جائزہ پیش کرنا ہے کہ ٹی وی بس ایک آلہ ہے، کیونکہ آج یہ کافر کے قبضے میں ہے لہٰذا اس سے شر کا فروغ ہو رہا ہے لیکن اگر یہ مسلمانوں کے پاس آجائے تو اس سے خیر کے سوتے پھوٹنے لگیں گے۔

درحقیقت ٹی وی کے بارے میں یہ مفروضہ ایک عامیانہ تجزیے پر مبنی ہے اور اس مضمون میں ہم دکھانے کی کوشش کریں گے کہ نہ صرف یہ کہ ٹی وی کے ذریعے تبلیغ دین کا کام مؤثر طور پر کرنا ممکن نہیں بلکہ یہ اُلٹا نقصان کا باعث ہوتا ہے۔ وما توفیقی الا باللہ

### مقصد اور ساخت کا تعلق باہمی

سب سے پہلے یہ اُصولی بات سمجھ لینی چاہئے کہ کسی مقصد کو حاصل کرنے کی خاطر جو طریقہ اختیار کیا جاتا ہے اس کی ساخت (structure) کا حصولِ مقصد اور اس کے دوام کے ساتھ نہایت گہرا تعلق ہوتا ہے۔ افراد جب کسی شے کے حصول کو اپنا مقصد بناتے ہیں تو اس

(۱) نیشنل یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی، اسلام آباد

کے حصول کے لئے کوئی نہ کوئی انتظامی شکل ضرور اختیار کرتے ہیں اور بہت سی انتظامی شکلوں میں سے وہی شکل زندہ رہ جاتی ہے جو زیادہ مؤثر اور قابل عمل ہوتی ہے۔ افراد کی خود سے اختیار کردہ مخصوص انتظامی ہیئت ان معنوں میں تو ضروری نہیں ہوتی کہ وہ بذاتِ خود اَصلاً مطلوب تھی ،مگر ان معنوں میں یقینا ضروری ہوتی ہے کہ اس کی بقا سے افراد کے معاشرتی مقاصد قائم رہتے ہیں اور اس کا انہدام ان تمام مقاصد کے انہدام کا باعث بھی بنتا ہے جو اس کے ساتھ مربوط ہوتے ہیں۔ساخت وڈھانچے کے اندر جو روح (spirit) موجود ہوتی ہے، اسے اس ساخت سے علیحدہ نہیں کیا جاسکتا۔

اسی طرح شریعت کے بیان کردہ ڈھانچے غیر متبدل ہوتے ہیں کیونکہ شریعت نے ایسے ڈھانچوں کی نشان دہی کردی ہے جنہیں اختیار کر کے مقاصد الشریعہ کا حصول ممکن ہوجاتا ہے۔ درحقیقت اسلامی نظام زندگی بدن اور روح کے آمیختے کا نام ہے،ساخت اور روح ساتھ ساتھ ہوتے ہیں ۔ ہر ڈھانچے اور نظام کی اپنی روحانیت (spirituality) اور دانش (wisdom) ہوتی ہے جو اس کے اندر سرایت کیے ہوئے ہوتی ہے، جب تک آپ اس نظام کو اس کی ساخت کے ساتھ چلاتے رہتے ہیں تو اس کی مخفی دانش (potential wisdom) اور روحانیت (potential spirituality) ایسے ایسے طریقوں سے اپنا اظہار کرتی رہتی ہے کہ جن کا اِدراک کرنا بھی مشکل ہوتا ہے۔عمل کی ساخت اور اس کی روح کے تعلق کی وضاحت چند آسان مثالوں سے کی جاسکتی ہے:

مثال ۱: کھڑے ہوکر کھانے والے نظام کی اپنی دانش وروحانیت ہے جو حرص وحسد کی عمومیت کے ذریعے ظہور پذیر ہوتی ہے لیکن اسلامی آداب طعام کی روحانیت و دانش دسترخوان پر بیٹھ کر کھانے میں مضمر ہے۔ جو شخص دسترخوان پر بیٹھ جاتا ہے وہ کھڑے ہوکر کھانے والوں کی طرح لوٹ مار، چھینا جھپٹی نہیں کرسکتا۔ وہ دسترخوان پر تعلقات کے ایک ایسے تانے بانے میں بندھ جاتا ہے جہاں اس کی نقل وحرکت ناممکن ہوجاتی ہے۔ وہ حالت حرکت سے حالتِ سکون میں آجاتا ہے، وہ ایک پیالے سے دوسرے پیالے، ایک برتن سے دوسرے برتن کی طرف آزادانہ رجوع نہیں کرسکتا۔ جو کچھ اس کے سامنے میسر وموجود ہے وہ اسی پر اکتفا کرتا ہے۔صرف اکتفا نہیں کرتا بلکہ اس کے ساتھ جو لوگ فروکش ہیں ان کا حصہ بھی ان چیزوں میں موجود ہے جو سامنے برتنوں میں رکھی ہیں، اس سے وہ عدم اعتنا نہیں کرسکتا۔ اگر

برتن میں پانچ بوٹیاں ہیں اور کھانے والے بھی پانچ ہیں تو کوئی فرد پانچوں بوٹیاں اپنی رکابی میں ڈالنے کی جرات نہیں کرسکتا کہ پانچ نگاہیں اس کے تعاقب میں ہوں گی، اس کا اخلاقی وجود کڑی نگرانی میں ہوتا ہے۔کوئی قانون نافذ نہیں ہوتا لیکن نفسِ لوامہ اور اخلاقیات کا قانون دسترخوان کے ڈھانچے کے ذریعے فرد پر مسلط ہوجاتا ہے اور وہ اس کے جبر سے اوپر نہیں اُٹھ سکتا۔اس کے برعکس کھڑے ہوکر کھانے کی اخلاقیات ہی دوسری ہوتی ہیں۔ایک میز سے وہ پسند کی بوٹیاں و اشیاء چنتا ہے، پسند نہیں آتیں تو دوسری میز پر پھینک کر دوسری رکابی اٹھا کر دوسری اشیا استعمال کرنا شروع کردیتا ہے۔پسندیدہ اشیا ایک میز پر نہ ملیں تو وہ ہر میز پر گھوم پھر کر ڈھونڈتا اور لوٹتا رہتا ہے کیوں کہ وہ اپنا زمان ومکان تیزی سے بدل رہا ہے لہٰذا کسی کی نظر میں نہیں ہے بلکہ صرف نفس امارہ (حرص وحسد وہوس) کی گرفت میں ہے۔دسترخوان اس کے اخلاقِ رذیلہ کے اظہار کی صلاحیتیں سلب کرلیتا ہے، اسی لئے دسترخوان پر بیٹھنے والا مرغی کی گردنیں بھی کھاتا ہے،لیکن بوفے میں کھانے والا گردنوں کو ہاتھ بھی نہیں لگاتا۔

مثال ۲: ہمارے گاؤں دیہات میں چوپال اور بیٹھک لوگوں کی روزمرہ زندگی کا لازمی حصہ ہوا کرتے تھے (کہیں کہیں اب بھی یہ نشستیں موجود ہیں)۔اب دیکھئے اسلام چاہتا ہے کہ اس کے ماننے والوں کے تعلقات سے جو معاشرہ وجود میں آئے، وہاں پڑوسیوں کی خوب خبر گیری ہونی چاہیئے۔اب سوال یہ ہے کہ یہ خیال کیسے رکھا جائے؟ اس کا انتظام کیا ہو؟ کیا ہر شخص روزانہ رات سونے سے پہلے اپنے پڑوسی کا دروازہ بجا کر اس سے پوچھے کہ بھائی کیسے ہو؟ ظاہر ہے ایسا تو نہیں ہوسکتا، مگر پھر کیا ہو؟ اب ذرا غور کریں کہ یہ بیٹھک کیا ہے؟ عام نشست کی ایسی جگہ جہاں لوگ شام کے وقت تھوڑی دیر دل لگی اور فرحتِ طبع کے لئے اکٹھے بیٹھتے جس کے ذریعے اُنہیں پورے گاؤں اور اس کے اطراف کے لوگوں کے حالات معلوم ہوتے مثلاً گاؤں میں کون بیمار ہے، کس کے گھر شادی ہے، کس کے گھر فوتگی ہوئی وغیرہ وغیرہ۔اگر کوئی شخص دو دن تک بیٹھک نہ آتا تو لوگ اس کے گھر خیریت معلوم کرنے جاتے۔یوں سمجھئے کہ ایک طرف تو یہ گاؤں کے حالاتِ حاضرہ کو افراد تک پہنچانے کا ایک مکمل طریقہ تھا تو دوسری طرف ایک ساتھ مل جل کر رہنے اور ایک دوسرے کا خیال کرنے کی اَقدار کے فروغ کا ذریعہ تھا۔پڑوسیوں کی خبر گیری کرنے کا بھلا اس سے بہتر انتظام اور کیا ہوسکتا تھا؟

لیکن پھرٹی وی آ گیا اور ہر شخص فرحتِ طبع کے لئے اب بیٹھک کے بجائے اپنے اپنے گھر بیٹھ کر ٹی وی دیکھنے کا عادی ہونے لگا۔ نشستیں ختم ہونے لگیں اوران نشستوں کے ٹوٹنے سے وہ سارا ماحول بھی ہمارے معاشروے سے رخصت ہو گیا جو ان کا مرہونِ منت تھا۔ کہا جانے لگا کہ ٹی وی سے ہمیں خبریں ملتی ہیں، مگر کس قسم کی خبریں؟ وہ خبریں جو ہمارے اسلامی معاشرے کی تشکیل کے لئے کسی کام کی نہیں۔ ٹی وی لوگوں کو یہ تو بتاتا ہے کہ بھارت میں کس فلمی ہیرو کی شادی کس ہیروئن سے ہوئی، امریکہ میں لوگ روزانہ کتنے کتے خریدتے ہیں، مگر اُنہیں یہ نہیں بتا سکتا کہ تمہارے پڑوسی کس حال میں ہیں؟ بیچارہ ٹی وی کیا کرے، اس کی مجبوری یہ ہے کہ وہ وہی بات کہے گا جہاں سے اسے پیسے ملنے کی امید ہو، کیونکہ اس کا تو سارا دھندہ ہی اشتہاری کمپنیوں کے سرمایے کا فروغ ہے۔ ہم یہاں ٹی وی کے نقصانات کی بات نہیں کررہے بلکہ معاشرتی مقاصد کے حصول کے ضمن مس اداروں کی بقا کی اہمیت وافادیت کی بات کررہے ہیں، کیونکہ یہ ادارے ہی ہیں جو افراد کا تعلق کسی خاص مقصد سے منسلک اور قائم رکھنے کا باعث بنتے ہیں۔

مثال ۳: عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، علامہ احسان الٰہی ظہیرؒ، شورش کاشمیریؒ، رشید ترابیؒ، شفیع اوکاڑویؒ اور مولانا نورانیؒ وغیرہ جب جلسہ عام میں خطابت کا جادو جگاتے تو لاکھوں کا مجمع سیلاب کی طرح اُبلنے لگتا، نعرے اور تحسین کی آوازیں بلند ہوتیں۔ جلسہ گاہ رزم گاہ کا منظر پیش کرتا ہے اور خطیب اس صورتحال سے فائدہ اٹھا کر لوگوں کو آتش بجاں کرتا چلا جاتا ہے۔ لیکن یہی خطبا جب اپنی اپنی مساجد کے منبروں پر اسی رفتار و گفتار کے ساتھ جمعہ کے دن خطابت کرتے ہیں تو مجال ہے کہ مسجد میں کوئی شخص نعرہ لگادے، شور مچادے، یا تحسین وستائش کے ڈونگرے برسادے۔ مسجد کا تقدس لوگوں کے جذبات کو سلب کر لیتا ہے اور ان کے جذبات کو ایک خاص تنظیم کے سانچے میں ڈھال کر اُنہیں ساکت وصامت بنادیتا ہے۔ اس نظام کی روحانیت انسانی وجود کو اپنے سانچے میں ڈھال لیتی ہے اور اس کے جذبات کو اس کے بدن سے خارج کر کے اسے بےبس کردیتی ہے۔ یہ مسجد کے ادارے کی روحانیت کا ثمر ہے۔

اسی طرح تراویح جب مسجد میں ادا کی جاتی ہیں تو ان کا ماحول، نورانیت وروحانیت بالکل الگ ہوتی ہے۔ وقار، سکون، سنجیدگی، قلب کی آمادگی، دنیا سے فراغت کی کیفیات طاری ہوتی ہیں۔ مسجد کی تراویح میں مسجد کے خدام بھی شامل ہوتے ہیں اور انتظامی عملہ بھی۔ مسجد

انھیں اس عبادت سے محروم کرنے کا ذریعہ نہیں بنتی وہ مسجد کی اجتماعیت اور اجتماعی عبادت کا حصہ ہوتے ہیں لیکن یہی تراویح جب مساجد سے نکل کر شادی ہالوں، کمیونٹی سینٹروں اور ہالوں میں چلی جاتی ہیں تو ان کی روحانیت سلب ہو جاتی ہے۔ کچھ لوگ اس تقریب کے انتظامات میں مصروف ہو کر تراویح کی عبادت سے قصداً رضا کارانہ محروم ہو جاتے ہیں کیونکہ کچھ ویڈیو بناتے ہیں، کچھ صوتی نظام چلاتے ہیں، کچھ کتابوں کے اسٹال پر بیٹھتے ہیں، کچھ کتابیں پڑھ رہے ہوتے ہیں، کچھ چائے بنانے کے انتظام میں مصروف ہوتے ہیں، کچھ تھک کر کرسیوں پر آرام فرما ہو کر چائے پی رہے ہوتے ہیں، کچھ سستانے لگتے ہیں، وقفوں میں چائے کا دور اور کھانے پینے کا سلسلہ چلتا ہے۔ نتیجتاً وہ روحانیت مفقود ہوتی ہے جو تراویح کا حاصل ہے۔

وجہ یہ ہے کہ مسجد کا ادارہ چھوڑتے ہی یہ روحانیت بھی رخصت ہو جاتی ہے، روحانیت اس خاص ڈھانچے کے اندر ہے، وہ ڈھانچہ نہیں رہے گا تو روحانیت بھی نہیں رہے گی اور دنیا کو، حرص و ہوس کو اور لذتِ دنیا کو اس روحانیت میں دخل اندازی کی کھلی اجازت خود بخود مل جاتی ہے۔

مثال ۴: خانقاہ اسلامی معاشرت کا اہم ادارہ ہے جس کے ذریعے لوگ بچپن ہی سے اپنے بچوں کے تزکیۂ نفس کا سامان فراہم کرنے کے لئے اُنہیں کسی مردِ صالح کے ہاتھ بیعت کرا کے ان کی صحبت اختیار کرنے کی ترغیب دلاتے۔ خانقاہ درحقیقت ایک خود کار (automatic) صف بندی فراہم کرتی تھی جن سے منسلک ہونے کے نتیجے میں فرد اور معاشرہ اسلامی اقدار پر گامزن ہو جاتا۔ ایک طرف یہ خانقاہیں تبلیغ اسلام کے ذریعے غیر مسلموں کو دائرہ اسلام میں لانے کا سبب بنتیں اور دوسری طرف مسلمانوں کو اچھا مسلمان بنانے کا نظام فراہم کرتیں۔ خانقاہی نظام میں فرد مردانِ حق کی صحبت کے ذریعے ایسے تعلقات کا پابند ہو جاتا ہے جو اسے اخلاقِ رذیلہ اپنانے سے روکتے ہیں، ہزاروں آنکھیں اس کا تعاقب کرتی ہیں کہ دن بھر وہ کیا کرتا رہا؟ خانقاہی نظام کے اس سلسلے کے ختم ہو جانے کے بعد اب مسلمانوں میں تزکیہ نفس کا کوئی ادارہ موجود نہیں رہا کیونکہ ساخت ختم ہوتے ہی مقصد بھی فوت ہو جاتا ہے۔

ان تمام مثالوں میں نوٹ کرنے کی اہم بات یہ بھی ہے کہ ساخت کوئی غیر اقداری (value-neutral or objective free) شے نہیں ہوتی، بلکہ ہر ساخت ایک مخصوص مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ہی مددگار ہوتی ہے۔ چوپالوں اور بیٹھکوں کے ذریعے مل جل کر

رہنے کی معاشرت ہی کو عام کیا جا سکتا ہے، ان کے ذریعے اغراض پر مبنی معاشرت کبھی قائم نہیں ہوسکتی۔ علم تصوف کوئی ایسا غیر اقداری علم نہیں کہ جس کے ذریعے ہر قسم کی انفرادیت کا فروغ ممکن ہوسکے بلکہ خانقاہی نظام کے ذریعے وہی شخصیت وقوع پذیر ہوتی ہے جس کی قلبی کیفیات کا نقشہ احادیث کی کتاب الرقاق میں کھینچا گیا ہے۔ خانقاہ درحقیقت صرف کسی جگہ کا نام نہیں بلکہ ایک مخصوص مقصد کے حصول کے لئے افراد کے تعلقات سے اُبھرنے والا ایک مکمل نظام ہے۔ ایسا اس لئے ہے کہ ہر ساخت افراد کے مخصوص مقاصد کو حاصل کرنے کی خاطر وضع کردہ تعلقات کے نتیجے میں وقوع پذیر ہوتی ہے۔ ساخت اور روح کا چولی دامن کا ساتھ ہے، ساخت ختم ہوتے ہی روح بھی تحلیل ہوجاتی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ ساخت ختم ہونے کا مطلب ہی یہ ہے کہ افراد کے تعلقات کا وہ تانا بانا جو اس مقصد کے حصول کی ضمانت تھا، اب موجود نہیں رہا۔ کسی تہذیب کا زوال درحقیقت ان اداروں کی ٹوٹ پھوٹ کے عمل سے عیاں ہوتا ہے جو ایک تہذیب کے مقاصد کے حصول کی خاطر افراد کے تعلقات کے نتیجے میں اُبھرتے ہیں۔

## ٹی وی کی ساخت و مقصدیت اور دینی علم کا مزاج

اوپر دی گئیں مثالوں کا مقصد اس نقطے پر غور کی دعوت دینا ہے کہ کیا واقعی ٹی وی کی ساخت میں دینی تعلیم کا مقصد داخل کرنا ممکن ہے؟ اس سوال کے جواب کے لئے ٹی وی کی ساخت اور مقصدیت پر غور کرنا ہوگا، یعنی پہلے اس سوال کا جواب دینا ہوگا کہ ٹی وی کیا ہے؟

بنیادی طور پر یہ بنئے کی دکان ہے جس کا کام سرمایہ داروں کی تیار کردہ اشیا کو اشتہارات کی لیپا پوتی کے ذریعے عوام کو بے وقوف بنا کر بیچنا ہے۔ ٹی وی اور پرچون کی دکان میں اصلاً کوئی فرق نہیں۔ دونوں بازار میں اشیائے صَرف وضرورت [consumer goods] بیچنے کے لئے بیٹھے ہیں۔

اگر آپ کو لگتا ہے کہ ٹی وی کے بارے میں ہماری یہ رائے محض جذباتیت اور خام خیالی ہے تو ٹی وی پر معاشی (economic) و کاروباری (business) نقطہ نگاہ سے غور کیجئے۔ معاشی نقطہ نگاہ سے کسی کاروبار میں وصولیوں (revenues) اور اخراجات (costs) کا حساب لگایا جاتا ہے۔ ٹی وی کے اخراجات کیا ہیں؟ اوّلاً: ایک ٹی وی چینل قائم کرنے کے لئے لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں روپے کی ضرورت ہوتی ہے، ثانیاً: ٹی وی پر نشر کئے جانے والے

پروگرام بھی ٹی وی کے اخراجات میں شامل ہوتے ہیں نہ کہ وصولیوں میں، کیونکہ ٹی وی ان پروگراموں (مثلاً ڈراموں وفلموں وغیرہ) کو قیمتاً خریدتے ہیں۔ٹی وی کے پاس اخراجات کی اتنی طویل فہرست پورا کرنے کا آخر ذریعہ کیا ہے؟ اس کا جواب ہے: اشتہارات، یعنی ٹی وی اپنے اخراجات اشتہارات دکھا کر وصول کرتے ہیں۔

اگر معاشیات کا یہ مفروضہ درست ہے کہ کاروبار کا مقصد نفع کمانا ہے تو ظاہر بات ہے ٹی وی کا مقصد پروگرام دکھا کر اخراجات کرنا نہں ا بلکہ اشتہارات دکھا کر روپے کمانا ٹھرتا ہے، جیسا کہ اوپر بتایا گیا۔ٹی وی کے نفع کا انحصار اس بات پر ہے کہ کتنی کمپنیاں اسے اشتہارات دینے پر تیار ہوتی ہیں اور زیادہ اچھے اشتہارات اسی ٹی وی چینل اور پروگرام کو ملتے ہیں جسے لوگ پسند کرتے ہیں۔ کمپنیاں اشتہارات پر روپے کیوں خرچ کرتی ہیں؟ اس لئے کہ عوام الناس ان کی زیادہ سے زیادہ اشیا خریدیں اوران کے نفع میں اضافہ ہوتا چلا جائے۔ایک فرد اس دھوکے میں مبتلا رہتا ہے کہ پچاس روپے ٹی وی لائسنس اور کیبل کی معمولی فیس دے کر اتنے سارے ٹی وی چینلز سے لطف اندوز ہونے کا موقع ملنا مفت کا سودا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اشتہاری کمپنیاں اشتہارات کے اخراجات کو اشیا کی قیمت میں شامل کرکے سب کچھ لوگوں سے وصول کرتی ہیں۔ گویا پورا معاشرہ مل کر ٹی وی فنکاروں، اداکاروں اور کھلاڑیوں کو پالتا ہے۔ پروگرام ٹی وی چینلز کی پروڈکٹس ہیں جنہیں وہ اشتہارات کے عوض بیچ کر نفع کماتے ہیں۔

ٹی وی ایک ایسا نظام ہے جس کا مقصد تعلیم وتدریس، تبلیغ وتلقین یا تطہیر نفس نہیں بلکہ نفس پرستی، حرص وحسد اور نفع خوری کے عموم کے لئے صنعتی اداروں کی اشیاء کی فروخت ہے جو اشتہارات کے ذریعے ممکن ہوتی ہے۔ اصلاً وعملاً ٹی وی مشتہرین (advertisers) کے دھندے کو پھیلانے اور کمپنیوں کے نفع میں اضافہ کرنے کا دھندہ ہے۔ جیسے پرچون کی دکان کے مالک کا اصل مقصد نفع کمانا ہوتا ہے نہ کہ کوئی مخصوص شے بیچنا، اسی طرح ٹی وی کو اس بات سے کوئی سروکار نہیں کہ وہ کیا بیچ رہا ہے بلکہ اس کا مقصد وہ شے بیچنا ہے جس کے ذریعے اس کا نفع بڑھ سکے اور جو ٹی وی کو محض ذریعہ ابلاغ مان کر اسے علم دین کی اشاعت کا ذریعہ سمجھتے ہیں، وہ خوش فہمی کا شکار ہیں۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ ٹی وی علم دین کے ذریعے بھی دھندہ کرنے اور کاروبار پھیلانے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا، لہٰذا یہ رمضان میں دینی پروگرام پیش

کر کے مال بناتا ہے۔ ٹی وی کے لئے ہر عالم کے دروازے کھلے ہیں بشرطیکہ وہ خود کو اس لائق ثابت کر دے کہ اس کے ذریعے ٹی وی پیسے بنا سکتا ہے۔ اگر ٹی وی کو پتہ چل جائے کہ کسی عالم یا کسی عابد و زاہد کے سامعین کی تعداد زیادہ ہے تو اس کے نام پر بھی ٹی وی والے اشتہارات کا دھندہ شروع کر دیتے ہیں۔ ٹی وی پر یا اشیاء فروخت ہوتی ہیں یا انسان۔ ٹی وی ایک مکمل نظام ہے جسے اگر نفع خوری اور لذت پرستی کے فریم ورک سے الگ کر دیا جائے تو یہ سلسلہ ایک دن نہیں چل سکتا۔ آخر اشتہارات کے بغیر کروڑوں روپے کی لاگت کہاں سے پوری ہوگی؟ اور ان اشتہارات کا مقصد کمپنیوں کے نفع میں اضافے کے لئے صارفانہ معاشرت و معیشت (consumer society) کے فروغ کے علاوہ اور کیا ہے؟

ٹی وی کی یہ حیثیت سامنے رکھنے کے بعد اب دینی تعلیم کے مزاج پر غور کریں۔ دینی تعلیم 'صرف' کیا جاننا ہے؟' (what to know) کا ہی نام نہیں بلکہ 'کیسے سننا اور بولنا؟' (how to listen and speak) بھی اس کا لازمی جز ہوتا ہے، یعنی علم کا مافیہ (content) اور اس کے حصول کا طریقہ (medium) دونوں دینی تعلیم کا جزوِ لاینفک ہیں یہ دونوں جب تک اکٹھے رہتے ہیں، دینی علم کی روحانیت اور اثرات باقی رہتے ہیں جونہی آپ انہیں علیحدہ کریں گے، علم دین کی اثر انگیزی زائل ہوتی جائے گی۔

یہی وجہ ہے کہ مدارس میں آج تک دینی تعلیم دینے کا رنگ ڈھنگ روایتی رکھا جاتا ہے، دین کے سیکھنے کا ایک طریقہ ہے اور وہ طریقہ اختیار کئے بغیر دین نہیں مل سکتا۔ اسی لئے ریڈیو، ٹی وی، وی سی آر کیسٹ کے ذریعے کوئی شخص دین کی روحانیت کا مکمل اِحاطہ، اِدراک، احساس، تصور اور اندازہ نہیں کر پاتا۔ وہ ادھورا رہتا ہے، اس کا علم و فہم دین بھی ادھورا ہی رہتا ہے۔ نماز جب گھر میں پڑھی جاتی ہے تو وہ ارد گرد کے علائق سے شدید متاثر ہوتی ہے لیکن جب مسجد کے پر سکون ماحول میں ادا کی جائے تو اس کی لذت، حاضری و حضوری کی کیفیت، روحانیت، قلبی حالت سب کچھ بالکل مختلف ہوتی ہے۔ یہ گھر اور مسجد کے سانچے اور ڈھانچے کا فرق ہے۔ ہمارے تمام علماء تہجد کے بعد تصنیف و تالیف کا کام کرتے تھے۔ اس وقت میں جو لذت، برکت، جمالیات اور سکون ہے اس کا اندازہ وہی کر سکتا ہے جو اس وقت مطالعہ کرے۔ ہمارے جید علماء کے کام میں جو برکت و روحانیت ہے، وہ تہجد اور فجر کی نماز کے بعد کی

روحانیت کا فیضان ہے۔ عصر حاضر کے جدیدیت پسند علماء اس فیض سے عاری ہیں۔

## تبلیغ دین بذریعہ ٹی وی کے منفی اثرات

درج بالا بحث کو مدنظر رکھتے ہوئے اب ہم ٹی وی کے ذریعے علم دین پھیلانے کی کوششوں کی خرابیاں بیان کرتے ہیں۔ ٹی وی کی ساخت و مقصدیت تعلیم دین کے مزاج پر کس طرح اثر انداز ہوتی ہے، اس کا اندازہ درج ذیل نکات سے لگایئے:

ہر سوال کا جواب دینا اور اپنی علمیت کا بے جا اظہار کرنا ٹی وی کے نظام جبر کا حصہ ہے۔ کبھی آپ ٹی وی پر عالم آن لائن وغیرہ جیسے پروگراموں پر غور کیجیے جن میں لوگ سوالات پوچھتے ہیں اور علمائے کرام جوابات دیتے ہیں۔ ان پروگراموں کا مقصد سائل کی فوری تسلی اور تشفی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ لہٰذا ہر عالم ہر سوال کا فوری جواب (instant answer) دینے کے لیے تیار رہتا ہے۔ ٹی وی پر علمائے کرام دین کی تبلیغ و اشاعت سے زیادہ اپنے تبحر علم اور وسعتِ مطالعہ کے اظہار پر مجبور ہیں تاکہ ان کی علمیت و عظمت مسلم ہو جائے۔ اس کی وجہ علما کا کبر، ریا اور غرور نہیں بلکہ ٹی وی کے نظامِ جبر کا ڈھانچہ ہے۔ ٹی وی کے نظامِ جبر کا تقاضا یہ ہے کہ فون پر یا مجلس مکالمہ میں جیسے ہی کوئی سائل سوال پوچھے، متعلقہ عالم فوری جواب دے۔ اگر کسی عالم نے جواب دینے میں تامل کیا یا اسے تردّد ہوا یا اُس نے کہا کہ مجھے جواب معلوم نہیں تو وہ عالم خواہ جتنا بھی جید، متبحر اور مسلّمہ ہو، اسی لمحے عوام کی نظروں میں اپنا وقار، معیار اور اعتبار کھو دے گا، بے وقعت (discredit) ہو جائے گا اور ٹی وی انتظامیہ بھی اسے بے کار عالم قرار دے کر پروگرام سے خارج کر دے گی۔ اگر کوئی عالم کسی پروگرام میں ہر سوال پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے تتبع میں احتیاطاً یہ کہتا رہے کہ میں نہیں، اللہ جانتا ہے، یا سلف کی پیروی میں یہ کہہ دے کہ میں نہیں جانتا، آپ فلاں عالم سے پوچھیں یا میں نے اس مسئلے پر ابھی غور نہیں کیا یا یہ کہ میں اس مسئلے پر پچھلے کئی سال سے غور کر رہا ہوں، لیکن ابھی تک کسی نتیجے پر نہیں پہنچا یا یہ کہہ دے کہ میرے ساتھ اس پروگرام میں جو دوسرے عالم بیٹھے ہیں، وہ شاید اس کا بہتر جواب دے سکیں، میں متامل ہوں۔ تو اسی لمحے اس عالم کی عزت، شہرت، حیثیت، مرتبہ، وقار، علم، تقویٰ، خشیت، علمیت نہ صرف عوام کی نظروں میں بلکہ اس کے اپنے اہل مسلک کی نظر میں بھی مشکوک ہو جائے گی۔ (جاری ہے)

اسلام اور پاکستان　　ڈاکٹر محمد امین

# تحفظِ بنیادِ اسلام بل

## شیعہ سنی منافرت اور تصادم کو روکنا ہر اہل ہوش کی ذمہ داری ہے
## یہ بل غیر ضروری ہے، اس کے لیے مشاورت نہیں کی گئی اور اس کے مقاصد سیاسی ہیں
## علماء کرام کی خدمت میں چند گزارشات

* الحمدللہ! ہم اہل سنت میں سے ہیں اور ہمارے عقائد سو فیصد وہی ہیں جو اہل سنت کے ہیں اور ہم اہل تشیع کے عقائد کو غلط سمجھتے ہیں۔

* لیکن اس کے باوجود پنجاب اسمبلی سے پاس ہونے والے اس بل پر ہمیں کچھ تحفظات ہیں اور ہم اہل سنت کے علماء کرام سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ ٹھنڈے دل سے ہماری گزارشات پر غور فرمائیں۔

* اور یہ کہ ان تحفظات کے اظہار کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ہم اہل تشیع کے مؤقف کی حمایت کرتے ہیں یا اہل سنت کے مؤقف کو بالکل غلط اور بلا جواز سمجھتے ہیں۔

### اس ضروری وضاحت کے بعد اب ہمارے مندرجہ ذیل نکات پر غور کیجیے!

۱۔ توہین رسالت کے بارے میں قانون (295C) پہلے سے موجود ہے۔ اسی طرح تحریر و تقریر میں مذہبی بنیادوں پر نفرت پھیلانے وغیرہ کے بارے میں بھی قانون (153A) پہلے سے موجود ہے۔ اب نئے بل کی ضرورت کیوں پیش آئی؟ اگر کوئی ضرورت تھی تو بل کو مشتہر کر کے عوامی رائے لینے کے بعد پہلے قانون میں تبدیلی کی جا سکتی تھی۔

۲۔ اہل تشیع کے عقائد معلوم و معروف ہیں اور آج سے نہیں صدیوں سے معلوم و معروف ہیں جن میں یہ بات شامل ہے کہ وہ اپنے ائمہ کو معصوم گردانتے ہیں، ان کے نام کے ساتھ علیہ السلام لکھتے ہیں۔ وہ حضرت علیؓ کو خلیفۂ رسول بلا فصل مانتے ہیں یعنی وہ حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ و عثمانؓ کو جائز راشد خلیفہ تسلیم نہیں کرتے۔ اور وہ بعض صحابہ کی روایت کردہ

احادیث کونہیں مانتے لہٰذا ان کے احادیث کے مجموعے اہل سنت سے الگ ہیں۔ اہل تشیع کے یہ عقائد صدیوں سے معلوم ومعروف ہیں اور ان عقائد کی بناء پر ہی اہل سنت کے علماء کی بہت بڑی اکثریت انہیں گمراہ قرار دیتی اور ان کے عقائد کو غلط سمجھتی ہے جبکہ بعض علماء ان کی تکفیر بھی کرتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ جب اہل تشیع کے یہ اعتقادات صدیوں سے معلوم ومعروف ہیں اور امت کے جمہور علماء ان کو غلط سمجھنے کے باوجود ان کو برداشت کرتے چلے آرہے ہیں اور ان کی تکفیر کر کے انہیں جسد امت سے نہیں کاٹا گیا تو اب کیا ضرورت آپڑی ہے کہ ان کے خلاف قانون بنایا جائے اور ان کے عقائد پر انہیں سزا دی جائے اور انہیں مشتعل ہونے کا موقع دیا جائے تاکہ ملک میں خانہ جنگی شروع ہو جائے اور ملک کا امن وامان تباہ ہو جائے۔

۳۔ یہ بل پنجاب اسمبلی میں مسلم لیگ (ق) نے پیش کیا اور اسے اسمبلی سے منظور کرایا۔ پنجاب کا وزیر قانون بھی ان کا ہے اور جن صاحب نے یہ بل پیش کیا وہ بھی ق لیگ کے وزیر ہیں۔ نیز اس بل کو رائے عامہ جاننے کے لیے مشتہر بھی نہیں کیا گیا اور خاموشی سے منظور کرالیا گیا حالانکہ اس طرح کے مسلکی اختلافی بل کے لیے طرفین کے علماء سے مشاورت ضروری تھی۔ اس سے پہلے بھی تحریک انصاف کی حکومت میں جب بھی اسلامی حوالے سے کوئی مسئلہ پیش ہوا تو چودہری برادران نے اسلامی نقطۂ نظر کی حمایت کی جبکہ مشرف کے دور میں یہی چودہری برادران تھے جب وہ برسر اقتدار تھے تو ان کے ممدوح جنرل مشرف نے بہت سے غیر اسلامی اقدامات کیے لیکن انہوں نے کبھی ان کی مخالفت نہیں کی بلکہ ہمیشہ ان کی حمایت کی۔ لہٰذا بعض لوگوں کے اس تاثر میں وزن ہے کہ ق لیگ نے یہ موقف مستقبل کے سیاسی فوائد کے لیے اختیار کیا ہے تاکہ نواز شریف کی عدم موجودگی میں پنجاب میں ن لیگ کا مذہبی ووٹ ان کو مل سکے۔

۴۔ اور سب سے اہم بات یہ ہے کہ عالمی پس منظر کیا ہے؟ امریکہ ویورپ اور ان کے حواری نہیں چاہتے کہ عالم اسلام زوال سے نکلے اور مضبوط ہو۔ اس کے لیے ہر طرح کی چالیں چلی جارہی ہیں اور ہر طرح کی سازشیں کی جارہی ہیں۔ پہلے 11 / 9 کا ڈرامہ رچا کر افغانستان

کی واحد اسلامی حکومت کو تباہ کیا گیا، عراق کو حیلے بہانے کچلا گیا، لیبیا کو تباہ کر دیا گیا۔ پھر اقلیتی شیعہ عنصر کو عالم اسلام کے اکثریتی اہل سنت عناصر کے خلاف ابھارا گیا۔ عراق میں انہیں حکومت دلوائی گئی۔ مغرب کی خفیہ اشیر باد سے ایران نے شام میں ۹۵ فیصد اہل سنت کے خلاف ۵ فیصد شیعہ اقلیت کی ظالم اور ناجائز حکومت کو برقرار رکھنے کے لیے لامحدود افرادی ، مالی اور اسلحی وسائل مہیا کیے اور امریکہ کا ہوا دکھا کر روس کو اپنی حمایت میں لے آیا۔ پھر اس نے سعودی عرب کو گھیرنے کے لیے یمن میں شیعہ عناصر کو منظم کیا، انہیں تربیت اور اسلحہ دیا، مال دیا نتیجتاً وہاں خانہ جنگی شروع ہوگئی اور حوثی ایران کے مہیا کردہ اسلحے سے روز سعودی عرب پر میزائل داغتے ہیں۔ ایران اور سعودی عرب کو براہ راست لڑانے کے لیے کئی بار جعلی حملے کیے گئے۔ افغانستان پر حملے کا ایک بڑا مقصد بھارت اور افغانستان کو ساتھ ملا کر پاکستان کو تباہ کرنا تھا۔

الحمدللہ! پاکستان ان ساری سازشوں کے باوجود باقی ہے۔ امریکہ و بھارت پاکستان کو غیر مستحکم کرنے کے لیے آج بھی بلوچستان اور قبائلی علاقوں میں حملے کروا رہے ہیں۔ پہلے مزارات پر حملے کروائے گئے اور دیوبندی، بریلوی عناصر کو لڑانے کی کوشش کی گئی۔ آج کل شیعہ اور اہل سنت کو لڑانے کے لیے سازشیں کی جارہی ہیں تاکہ پاکستانی معاشرے میں انتشار وافتراق پھیلے، ملک کمزور ہو اور اس کی سلامتی خطرے میں پڑے۔

ان حالات میں چودھری برادران کی محض پنجاب میں اپنا مذہبی ووٹ بنک بڑھانے کی خواہش کے لیے ایک ایسا بل لایا گیا جس کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ شیعوں نے اس کی مخالفت کی۔ اب دوسری طرف سنی علماء اپنی صفیں درست اور مضبوط کر رہے اور نعرے لگا رہے ہیں۔ توقع ہے کہ عمران حکومت اور اسٹیبلشمنٹ اس کھیل کو سمجھ جائے گی اور بل پر پیش رفت نہیں ہوگی اور نہیں ہونی چاہیے۔ لیکن اگر چودھری برادران کے دباؤ پر یہ بل پاس ہوتا ہے تو ظاہر ہے شیعہ اس کے خلاف اٹھ کھڑے ہوں گے اور یہ کہنے کی ضرورت بالکل نہیں کہ انہیں ایران کی خفیہ حمایت حاصل ہوگی جو اپنا انقلاب برآمد کرنے کے لیے پر جوش ہے اور اس کے لیے پہلے بھی پاکستان میں کوششیں کرتا رہا ہے۔ اہل سنت علماء سادہ لوح لوگ ہیں وہ اسے اپنے عقائد کے تحفظ کے تناظر میں دیکھ رہے ہیں۔ بین الاقوامی تناظر اور پیچیدگیاں ان کے سامنے ہیں ہی نہیں۔

۵۔ شیعہ سنی حوالے سے مسئلہ ہے کیا؟ ہم بھی اسی معاشرے میں رہتے ہیں اور مسائل سے واقف ہیں۔ چند باتیں ایسی ہیں جن کا حل کیا جانا ضروری ہے۔ ایک تو یہ کہ شیعہ ذاکرین، جن میں سے اکثر دین کے ٹھوس عالم نہیں ہوتے، محرم کے دنوں میں جذباتی تقریریں کرتے ہیں اور جوش بیان میں صحابہ کرام اور خصوصاً خلفاء راشدینؓ اور حضرت عائشہؓ کے خلاف زبان طعن دراز کرتے ہیں۔ اسی طرح طرفین کے انتہا پسند لکھنے والے ایسی کتابیں لکھتے ہیں جو دوسروں کی دل آزاری کا سبب بنتی ہیں۔ اس مسئلے کا حل ضروری ہے۔

دوسرے یہ کہ محرم کے دس دنوں میں ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے ساری حکومت اور سارا میڈیا اہل تشیع کے کنٹرول میں چلا گیا ہے حالانکہ انہی دنوں حضرت عمر فاروقؓ کی شہادت بھی ہوئی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جلیل القدر صحابی، رشتہ دار اور دوسرے خلیفۂ راشد ہیں۔ نیز اہل سنت بھی حضرت حسین بن علیؓ اور حضرت عمرؓ کی شہادت کے پروگرام رکھنا چاہتے ہیں۔

تیسرے یہ کہ کرونا کے دنوں میں سندھ حکومت کا رویہ اہل سنت علماء کے خلاف انتہائی شدید تھا۔ جمعہ کے دن خصوصی لاک ڈاؤن لگایا جاتا تھا کہ لوگ جمعہ نہ پڑھ سکیں۔ اہل سنت کی مساجد کے باہر پولیس کھڑی کردی جاتی کہ کوئی نمازی اندر نہ جا سکے۔ دو دفعہ نمازیوں اور پولیس میں جھڑپیں بھی ہوئیں اور علماء پر مقدمے بنے۔ اس دوران یوم علیؓ آ گیا۔ اور اس موقع پر جلوس نکالے گئے تو اس میں سندھ کے وزیر علیٰ اور وزیر اطلاعات بنفس نفیس شامل ہوئے، جہاں کھوے سے کھوا چھل رہا تھا اور ہزاروں لوگ ایک دوسرے سے جڑے کھڑے تھے جب کہ اہل سنت کے مسجد میں اکٹھے نماز پڑھنے پر پابندی تھی یعنی سارے ایس او پیز اور پابندیاں اہل سنت کے لیے اور اہل تشیع کو کھلی چھٹی۔ ظاہر ہے اس سے اہل سنت علماء وعوام کے دل دُکھے اور ان میں ردّعمل پیدا ہوا جو جواز رکھتا تھا۔

ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ اہل سنت علماء سمجھتے ہیں کہ اہل تشیع کی تعداد ۸، ۷ فیصد ہے اور اسی لحاظ سے انہیں حکومت کے اعلیٰ مناصب ملنے چاہئیں جبکہ اہل تشیع کی رائے یہ ہے کہ ان کی تعداد ۴۰، ۳۰ فیصد ہے۔ اس کے لیے بہتر ہوگا کہ آئندہ مردم شماری میں مسلک کا خانہ رکھ دیا جائے تاکہ مختلف مسالک کے منتسبین کی صحیح تعداد سامنے آ سکے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ ان مسائل کا حل ضروری ہے اور انہیں حل کیے بغیر اہل سنت علماء اور عوام کو مطمئن نہیں کیا جاسکتا۔ ہماری رائے میں اس کے لیے نئی قانون سازی کی ضرورت نہیں۔ قوانین اور ادارے پہلے سے موجود ہیں البتہ ان کی سمت درست کرنے کی ضرورت ہے۔ نیز اداروں کو فعال کر دیا جائے اور قوانین میں اگر تبدیلی کی ضرورت ہو تو سنی شیعہ علماء کو بٹھا کر ان کی مشاورت سے قانون میں تبدیلی کر لی جائے۔

فوری طور پر اس مسئلے کا حل یہ ہے کہ پنجاب حکومت وزارت مذہبی امور یا اسلامی نظریاتی کونسل کو متحرک کر کے سنی شیعہ علماء کو اکٹھا بٹھائے اور اس مسئلے کو حل کرے۔

جس طرح پہلے سنی شیعہ علماء رواداری، تحمل اور بردباری سے کام لیتے رہے ہیں، وہ علماء کے ۲۲ نکات، ملی یکجہتی کونسل اور ملی مجلس شرعی میں افہام وتفہیم سے مل کر کام کرتے رہے ہیں۔ ہمیں اب بھی یقین ہے کہ حکمت ودانش سے کام لیا جائے اور تحفظ بنیاد اسلام بل کو چھوڑ کر مذکورہ مسائل کو حل کرنے کی کوشش کی جائے تو شیعہ سنی تنازعہ کا مسئلہ ان شاءاللہ حل ہو جائے گا۔

ہمارا خیال ہے کہ پنجاب حکومت کو یہ کام کرنا چاہیے لیکن اگر وہ عاقبت اندیشی سے کام نہیں لیتی تو ملی مجلس شرعی کے قائدین سے ہماری درخواست ہے کہ وہ اپنے پلیٹ فارم سے بین المسالک ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے اس نیک کام کی ابتداء کریں۔ وآخر دعوانا ان الحمدللہ ربّ العلمین.

-----------------

عصرِ حاضر ملک الموت ہے تیرا جس نے
قبض کی رُوح تری دے تجھے فکرِ معاش!

دل لرزتا ہے حریفانہ کشاکش سے ترا
زندگی موت ہے کھو دیتی ہے جب ذوقِ خراش!

(اقبالؒ)

اسلام اور پاکستان

محمد عاصم حفیظ

# پاکستانی معاشرہ: فحاشی، عریانی، زنا کا کھلے عام فروغ

## مردوں کے لیے زنانہ مساج سنٹرز کا دھندا، سوشل میڈیا پر اس کی تشہیر اور اخلاقی تباہی کی ایک جھلک

عید کی آمد پر سوشل میڈیا ایسے فحش اشتہارات سے بھرا پڑا ہے جس میں مردوں کے لئے لیڈیز سٹاف سے مساج، پیڈی کیور اور دیگر سروسز فراہم کرنے کی آفرز ہیں جبکہ پرائیوٹ روم، پرائیویسی اور سکیورٹی کا بطور خاص تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔

کبھی وہ وقت تھا کہ نیو ائیر نائٹ اور ویلنٹائن ڈے منانے والے چھپ چھپ کر اکٹھے ہوتے تھے کہ کہیں کسی کی نظر میں نہ آ جائیں۔ کوئی بھی ایسا واقعہ ہوتا جس کا تعلق دینی اور نظریاتی اساس کے ساتھ ہوتا تو اس پر شدید ردعمل سامنے آتا اور کرنے والوں کے طبق روشن ہو جاتے۔ چند سال پہلے تک تعلیمی اداروں میں مخلوط رقص، گانا بجانا، فیشن شوز اور کھلے عام غیر ملکی تہواروں کو منانا اتنا آسان نہ تھا لیکن اب یہاں سب کچھ ہو رہا ہے کیونکہ قوم کی دینی و نظریاتی رہنمائی کرنے والے رہنما سیاست کے بکھیڑوں میں الجھے ہوئے ہیں۔ ووٹوں کے حساب و کتاب میں مصروف ہیں اور امیدوار پورے کرنے کے لئے جوڑ توڑ کر رہے ہیں۔

سوشل میڈیا پر کس قدر دیدہ دلیری سے فحاشی و عریانی کی تشہیر کی جا رہی ہے۔ مساج سنٹرز کی آڑ میں اور بھی کیا کیا ہوتا ہے اس کی جھلک اشتہار سے ہی ہو جاتی ہے جس میں واضح طور پر لکھا گیا ہے کہ ''نئی جوان لڑکیوں پر مشتمل سٹاف''۔ اس چھوٹے سے اشتہار میں ایک اور بات بھی بڑی اہم ہے ''مکمل راز داری اور سکیورٹی کا انتظام''۔ اب آپ خود ہی اندازہ لگا سکتے ہیں مکمل راز داری اور سکیورٹی کی ضرورت کب اور کس قسم کے دھندے کے لئے پڑتی ہے جبکہ سٹاف کے نئے اور جوان ہونے کا ''لالچ'' کن بیمار ذہنوں کو مائل کرنے کے لئے دیا جاتا ہے۔ ان مساج سنٹرز کے نام ہی خواتین کے نام پر رکھے گئے ہیں تا کہ نام ہی کافی ہو۔ ویسے خواتین کے حقوق کی ڈرامے باز تنظیمیں اس ذلت کے بارے میں احتجاج کیوں نہیں کرتیں کہ

مردانہ مساج سنٹرز کے نام لڑکیوں کے نام پر کیوں رکھے جارہے ہیں؟

اگر فرصت ملے تو معاشرے کی بنیادیں ہلا دینے والے ان عناصر کی بھی خبر لیں۔ اگر برا نہ منائیں تو شائد اسے مساج سنٹرز کی آڑ میں جسم فروشی کا دھندا قرار دیا جاسکتا ہے۔ سوشل میڈیا معاشرتی برائیوں کی آماجگاہ بنتا جارہا ہے۔ کچھ ایسی قباحتیں جو موجود تو تھیں لیکن ہر ایک کے لئے رسائی نہ تھی۔ ایک جھجک تھی اور کچھ حد تک ڈر لیکن اب انہی کی خوب تشہیر بھی ہوتی ہے اور تحفظ و رازداری کی گارنٹی بھی دی جاتی ہے۔ جنسی کھلونوں کے اشتہارات ہوں۔ مساج سنٹرز ہوں یا ڈیٹنگ سائٹس ہوں یا انڈر گارمنٹس کے اشتہارات کی آڑ میں فحش اور نیم برہنہ ماڈلنگ۔ یہ سب کھلے عام اور پوری دیدہ دلیری سے کیا جارہا ہے۔ کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگ رہی۔ اہل دانش سیاسی نکتہ دانی میں مصروف ہیں اور دینی رہنما جمہوریت سے خلافت دریافت کرنے کے فارمولے ڈھونڈ رہے ہیں۔ معاشرہ کس اخلاقی تباہی کی جانب گامزن ہے کسی کو فکر نہیں۔

اللہ کے بندو! جب معاشرے میں فحاشی و عریانی کو اس قدر فروغ ملے گا، نوجوان نسل اس قسم کی برائیوں کی عادی ہو جائے گی تو کون آپ کی تبلیغ کو سننا پسند کرے گا؟ اگر اس طوفان کو آغاز میں ہی نہ روکا گیا تو پھر تباہی کا انتظار ہی کیا جاسکتا ہے۔ کاش ہمارے اہل دین و دانش سوچیں کہ سیاست کے علاوہ بھی کرنے کے کچھ کام ہیں جن سے سرکاری سطح پر نہ سہی معاشرتی سطح پر تو اسلامی طرز معاشرت کی جھلک دکھائی جاسکتی ہے۔ جب تک یہ نہ ہوا اسلامی انقلاب اور نظامِ مصطفی کے قیام کی خواہش محض نعرے اور خوشنما خواب سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں۔ جب تک معاشرتی تبدیلیوں پر نظر نہ رکھی جائے اور خوب سوچ بچار کے بعد مؤثر ردعمل نہ دیا جائے تو کچھ عرصے بعد صرف پچھتاوا ہی رہ جاتا ہے۔ پھر اسے یہودی اور مغربی سازش قرار دینے کا بہانہ ہی رہ جاتا ہے جو درحقیقت بروقت احساس نہ کرنے اور اپنی کوتاہیوں پر پردہ ڈالنے کی ایک کوشش ہوتی ہے۔

عالم اسلام ڈاکٹر محمد امین

# عالمِ اسلام۔حالات کی نئی کروٹ اور بدلتے رجحانات

اقبال نے غالباً پچھلی صدی کی بیسویں دہائی میں کہا تھا کہ ؎

خود بخود گرنے کو ہے پکے ہوئے پھل کی طرح
دیکھیے پڑتا ہے آخر کس کی جھولی میں فرنگ!

❁ اس بات کو صدی گزرنے کو ہے اور فرنگ کا پکا ہوا پھل ابھی بھی گرنے کو ہے، گرا نہیں ہے۔قوموں اور تہذیبوں کی زندگی میں ایک صدی کوئی بڑی بات نہیں ہوتی۔ہم بھی سقوط بغداد کے بعد کئی صدیاں نکال گئے تھے۔یہ تمہید ہم نے اس لیے باندھی کہ امریکہ زوال پذیر ہے، خود اس کی اپنی کئی ریاستیں مرکز سے کٹنا چاہ رہی ہیں۔دوسری طرف چین ابھر رہا ہے اور اس کی قیادت بڑی دانشمندی سے اپنے پیر پھیلاتی چلی جارہی ہے اور عالمی سطح پر کسی بڑی کشمکش سے گریز کی پالیسی پر کامیابی سے گامزن ہے تاکہ اس کی قوت ضائع نہ ہو۔

لیکن جن لوگوں کو غلامی کی عادت پڑ گئی ہو انہیں مرا ہوا سلمانؑ بھی زندہ دکھتا ہے چنانچہ کئی اسلامی ممالک ابھی بھی عالم کفر کے سردار امریکہ کی غلامی سے نکلنے کو تیار نہیں۔انہیں کوئی بڑی مادی یا مالی مشکل بھی درپیش نہیں بس ذہنی اور فکری غلامی ہے جو انہیں سر نہیں اٹھانے دیتی۔یہ محض اعصاب کی جنگ ہے جو وہ ہارے ہوئے ہیں۔

❁ امریکہ نے عرب امارات اور اسرائیل کے درمیان امن معاہدہ کرا دیا ہے غالب امکان ہے کہ خلیج کی دوسری چھوٹی ریاستیں بھی اس کی پیروی کریں گی۔سعودی عرب پہلے سے غیر رسمی طور پر اسرائیل سے تعلقات بحال کیے ہوئے ہے صرف اعلان کی ضرورت ہے۔

❁ دوسری طرف چین پاکستان کے بعد ایران سے تعلقات بڑھا رہا ہے۔ترکی پہلے سے امریکہ سے ڈسا ہوا ہے اور روس اور چین کی طرف جھکاؤ رکھتا ہے۔اس چیز کے امکانات موجود ہیں کہ پاکستانی معاشی طور پر اگر ذرا سنبھل گیا، جس کے لیے چین اپنی اغراض کی خاطر کوشاں ہے، تو OIC کے نیم مردہ وجود کے مقابلے میں، جسے امریکہ نے سعودی عرب سے مل کر گہری نیند سلا رکھا ہے۔ترکی، ایران، پاکستان، ملائشیا، انڈونیشیا وغیرہ مل کر (چین کی

آشیر باد سے )OIC کے مدمقابل کوئی دوسرا پلیٹ فارم تشکیل دے لیں جوامت کے مفادات کے لیے کچھ کام کر سکے۔

* جو چیز غور کرنے کی ہے وہ یہ ہے کہ ہم امریکہ کی غلامی سے نکل کر چین کی غلامی میں نہ چلے جائیں۔ دراصل ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم اپنا برا بھلا خود سوچیں، اپنے نظریۂ حیات کی بنیاد پر اپنے پیروں پر کھڑے ہوں، اپنی عزت خود کریں اوراور دوسروں سے کرائیں۔ دوسروں کے سہارے آخر ہم کب تک کھڑے رہ سکیں گے؟ مذکورہ اسلامی ممالک کو چاہیے کہ اپنا بلاک خود بنائیں اور اپنی شرائط پر اور اپنے دینی، سماجی، سیاسی، معاشی مفادات کا تحفظ کرتے ہوئے چین سے معاملہ کریں۔ اگلے چند سال بہت اہم ہیں۔

مسلم قیادت کی پالیسی یہ ہونی چاہیے کہ امریکہ سے جان چھڑائیں لیکن چین کی جھولی میں نہ جا گریں بلکہ بڑے مسلمان ممالک کو چاہیے کہ آپس میں رابطے کر کے اپنا بلاک بنائیں، اپنے نظریے اور اپنے مفادات کا تحفظ کریں۔ وقتی طور پر امریکہ کے مقابلے میں چین کی حمایت کریں تاکہ عالمی سطح پر اپنے مفادات کا کچھ تو تحفظ کر سکیں لیکن ان کی مستقل پالیسی اور خفیہ پلاننگ یہ ہونی چاہیے کہ اگلے پچیس سال بعد وہ سپر پاور ہوں۔

---

## بقیہ: دلچسپ و سبق آموز واقعات

پولیس والے نے مفتی کو گھور کر دیکھا اور سوچا کہ یہ ہزاروں کی گھڑی مولوی 500 میں بیچ رہا ہے، فائدہ میرا ہی ہے۔ یہ سوچتے ہی پولیس والے نے فوراً پیسے نکال کر مولوی کے ہاتھ میں دیے اور کہا لاؤ گھڑی دو۔ مفتی صاحب مسکرا کر بولے کہ صبر کرو ابھی اسلامی ٹرانزیکشن مکمل نہیں ہوئی۔ اس ٹرانزیکشن میں گھڑی کے مالک اب تم ہو لیکن استعمال کنندہ مَیں ہی ہوں۔

پولیس والے کا منہ کھلا رہ گیا۔ مفتی صاحب نے جیب سے 1000 روپے کا نوٹ نکال کر پولیس والے کو پکڑایا اور بولا کہ یہی گھڑی اب مَیں واپس تم سے خرید رہا ہوں۔ ٹھیک ہے؟ پولیس والے نے پوچھا مفتی صاحب سمجھ نہیں آئی کہ آپ کر کیا رہے ہیں؟

مفتی صاحب نے سمجھایا کہ یہ گھڑی میں نے تم کو 500 روپے میں بیچ کر 1000 روپے میں واپس خرید لی اور عین اسلامی اصولوں کے مطابق حلال خرید و فرخت کا سودا باہمی رضامندی کے ساتھ مکمل ہوا۔ یوں رشوت جیسے حرام کام سے مَیں خود بھی بچا اور تم کو بھی بچا لیا۔

داستان سرائے | ادارہ

# دلچسپ وسبق آموز واقعات

## اسے باپ کا نام معلوم نہ تھا

تقریب نکاح جاری تھی۔ نکاح خوان نے دلہا سے اس کا نام پوچھ کر لکھا اور پھر اس کے والد کا نام پوچھا۔ دلہا اس سوال سے گھبرا گیا اور نکاح خوان سے کہا: ہم دو ماں بیٹا ہیں مَیں نے کبھی اپنی والدہ سے اپنے والد کا نام پوچھا ہی نہیں لہٰذا مَیں اپنی والدہ سے پوچھ کر ابھی آتا ہوں۔

یہ کہا اور گھر کے اندر چلا گیا۔ محفل میں موجود لوگوں میں سے کسی کو بھی اس کے والد کا نام معلوم نہ تھا۔ گھر میں داخل ہو کر اس نے والدہ سے اپنے والد کا نام پوچھا۔ والدہ بھی گھبرا گئی لیکن خاموش رہی۔ لڑکے نے کئی بار اپنی والدہ سے پوچھا اور آخر کار شدید طیش میں آ گیا اور غصے میں اپنی ماں سے نہ جانے کیا اول فول بکتا رہا۔ گھر میں جمع تمام عورتیں بھی خاموشی سے ماں بیٹے کا مکالمہ سنتی رہیں اور حیران تھیں کہ آج تک یہ سوال کرنے کا خیال ہمیں کیوں نہیں آیا جبکہ ماں بیٹے کی زندگی اسی محلے میں گزری ہے۔ یہ چھوٹا سا تھا جب سے ہم ان دونوں کو اپنی گلی میں اسی مکان میں دیکھ رہے ہیں۔ اس عورت نے شاید اپنے بچے کو اسکول بھی اسی لیے داخل نہیں کروایا کہ اس کے باپ کا نام تو جانتی نہیں۔ اچانک اس نے ماں سے کہا: اگر تو مجھے میرے باپ کا نام نہیں بتا سکتی تو اس شرمندگی کی زندگی سے بہتر ہے میں خودکشی کر لوں۔

جیسے ہی ماں نے بیٹے کے یہ الفاظ سنے تو تڑپ اٹھی، بھاگ کر اسے روکا اور کہا: میری بات سن لو پھر جو جی میں آئے کر لینا۔ چند عورتیں آگے بڑھیں اور لڑکے کو کسی اقدام سے روکا کہ پہلے ماں کی بات تو سن لو۔

پورے گھر میں خاموشی طاری تھی سبھی اس عورت کے لب ہلنے کے منتظر تھے کہ وہ گویا ہوئی: پاکستان بننے کے بعد میرے والد، چچا، بھائی اور خاندان کے تمام مرد و عورت ہجرت کر کے پاکستان کے لیے عازم سفر ہوئے راستے میں کسی جگہ ہمارے قافلے پر ہندو بلوائیوں نے حملہ کر دیا۔ ہمارے مرد جان توڑ کر لڑے لیکن بلوائیوں کی زیادہ تعداد اور اسلحہ کی وجہ سے

ہماری حفاظت نہ کر سکے اور سب شہید ہو گئے۔ لڑائی کے دوران میرے والد نے رات کے اندھیرے کا فائدہ اٹھا کر ہم عورتوں کو نکالنا چاہا لیکن میرے علاوہ کسی کو بھی بچانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ میرے خاندان کی باقی عورتوں کا کیا حال ہوا میں نہیں جانتی۔ مردوں اور عورتوں میں سے کوئی زندہ بچا بھی یا نہیں، مجھے کچھ پتہ نہیں۔ وہاں سے بھاگنے کے بعد میں انتہائی خوفزدہ حالت میں دن تو چھپ کر گزار دیتی اور رات کو اللہ کا نام لے کر اس راستے پر چل پڑتی جو روانگی سے پہلے ہمارے مرد حضرات آپس میں تذکرہ کرتے رہتے تھے۔ ایک رات دوران سفر مَیں نے ایک جگہ بچے کے رونے کی آواز سنی۔ آگے جا کر دیکھا تو کئی لاشوں کے درمیان ایک شیر خوار بچہ پڑا ہوا تھا۔ میں نے اسے اٹھالیا، سینے سے لگائے سفر کرتی آخر کار پاکستان پہنچ گئی۔ مہاجر کیمپوں میں کسی جگہ بھی مجھے اپنے خاندان کا کوئی فرد نظر نہ آیا۔ اور یوں میری دنیا صرف میرے اور اس بچے تک محدود رہ گئی۔ میری عمر کم تھی اور ابھی میری شادی بھی نہ ہوئی تھی۔ اپنی باقی زندگی میں نے اس بچے کی خاطر تنہا ہی گزار دی اور آج وہ بچہ میرے سامنے کھڑا ہے۔ اب بتاؤ رات کے اندھیرے میں لاشوں کے درمیان سے اٹھائے گئے بچے کا نام مجھے کون بتاتا؟

## اسلامی بنکنگ

کسی اسلامی بینک کے ایک شریعہ ایڈوائزر ایک دفعہ گاڑی چلانے کے دوران موبائل فون پر باتیں کرتے ہوئے پولیس کے ہتھے چڑھ گئے۔ پولیس والے نے پوچھا چالان کروں یا 500 روپے چائے پانی کا خرچہ دیں گے؟ مفتی صاحب نے پولیس والے کو کہا کہ جرمانے کی ضرورت نہیں ہے اور رشوت لینے اور دینے والا دونوں جہنمی ہوتے ہیں لیکن مَیں اس کا ایک اسلامی حل نکال سکتا ہوں۔

پولیس والا حیرت سے کھڑا منہ تکتا رہا۔

مفتی صاحب نے اپنی گھڑی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ میں تمھیں 500 روپے میں بیچتا ہوں۔ بولو قبول ہے؟ (بقیہ صفحہ نمبر ۵۴)

استفسارات مدیر

# دینی قوتوں میں مکالمہ اور تجدد

'دنیا' اخبار کے ۱۵ر اگست ۲۰۲۰ء کے شمارے میں خورشید ندیم صاحب نے 'تکبیر مسلسل' کے عنوان سے اپنے کالم میں اسلامی نظریاتی کونسل میں ہونے والے ایک مجلس مذاکرہ کی روداد کی تفصیل دی ہے جس میں محرم الحرام میں امن وامان کے حوالے سے دینی قوتوں میں مفاہمت اور یکجہتی کے فروغ کے لیے ان میں مکالمے پر زور دیا گیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ اس مکالمے کی بنیادی ضرورت اظہار رائے کی آزادی ہے تا کہ اہل علم خوف اور تشدد کی فضا سے باہر آ کر تبادلۂ خیال کر سکیں۔ میرا مقصد آپ کو توجہ دلانا ہے کہ اگر آپ کو اس اپروچ سے اتفاق ہے تو آپ یہ کام لاہور میں ملی مجلس شرعی کے تحت کیوں نہیں کرتے؟ (عبداللہ، خوشاب)

**البرہان:** ہم دینی مسالک کے درمیان مکالمے کے حامی ہیں اور ان کو مختلف مسائل پر اکٹھے بٹھاتے بھی رہتے ہیں تاہم ان کے درمیان مکالمہ بایں معنی کہ وہ براہ راست اپنے مسلکی اختلافات زیر بحث لائیں اور اپنے مؤقف میں کسی ممکنہ نظر ثانی پر غور کریں، اس کی ہم زیادہ کوشش نہیں کر سکے اور علماء کرام کی طرف سے اس کی زیادہ حوصلہ افزائی بھی نہیں ہوئی۔ مثلاً حال ہی میں تحفظ بنیاد اسلام بل کے حوالے سے ہم نے تجویز دی تھی کہ شیعہ سنی علماء پر مشتمل ایک کمیٹی بنا دی جائے جو مسائل کی تنقیح کرے اور درمیانی راستہ نکالے لیکن ہماری تجویز کی حوصلہ افزائی نہیں ہوئی۔

ایک مشکل یہ بھی ہے کہ متجددین اس اپروچ سے غلط فائدہ اٹھا کر اپنی Legitimacy اور خود کو ایک قابل قبول مکتبۂ فکر منوانے کی کوشش کرتے ہیں۔ ہمارے کئی احباب کی رائے ہے کہ مولانا زاہد الراشدی صاحب کی اسی اپروچ کی وجہ سے عمار ناصر صاحب کو ابھرنے اور غامدی صاحب کی متجددانہ روش کو فروغ دینے کا موقع ملا ہے اور خود خورشید ندیم صاحب بھی اسی کا مظہر ہیں۔

اس طرح کے مکالمے کے ضمن میں ایک اہم اور قابل غور نکتہ یہ بھی ہے کہ آزادی کی حدود کہاں تک ہیں اور گمراہی کی حدود کہاں سے شروع ہوتی ہیں؟ یہ مسئلہ مسالک کے درمیان بھی شدت سے ابھر کر آئے گا اور جمہور علماء اور متجددین کے درمیان بھی۔

ایک لوہار کی عبداللہ

# پاکستان میں قیامِ امن کا یقینی فارمولا

بادشاہ نے گدھوں کو قطار میں چلتے دیکھا تو کمہار سے پوچھا: تم انہیں کس طرح سیدھا رکھتے ہو؟

کمہار نے جواب دیا کہ جو بھی گدھا لائن توڑتا ہے، مَیں اسے سزا دیتا ہوں۔ بس اسی خوف سے یہ سب سیدھا چلتے ہیں۔

بادشاہ نے کہا: کیا تم ملک میں امن قائم کر سکتے ہو؟

کمہار نے حامی بھر لی۔ بادشاہ نے اسے منصب عطا کر دیا۔ پہلے ہی دن کمہار کے سامنے ایک چوری کا مقدمہ لایا گیا۔

کمہار نے فیصلہ سنایا کہ چور کے ہاتھ کاٹ دیے جائیں۔

جلاد نے وزیر کی طرف دیکھا اور کمہار کے کان میں بولا کہ جناب یہ وزیر صاحب کا خاص آدمی ہے۔

کمہار نے دوبارہ کہا کہ چور کے ہاتھ کاٹ دو۔

اس کے بعد خود وزیر نے کمہار کے کان میں سرگوشی کی کہ جناب تھوڑا خیال کریں۔ یہ اپنا خاص آدمی ہے۔

کمہار بولا: چور کے ہاتھ کاٹ دیئے جائیں اور سفارشی کی زبان کاٹ دی جائے۔

اور کمہار کے صرف اس ایک فیصلے کے بعد پورے ملک میں امن وامان قائم ہوگیا۔

پاکستان میں بھی امن قائم ہوسکتا ہے مگر اس کے لیے کچھ چوروں کے ہاتھ کاٹنا پڑیں گے اور کچھ سہولت کاروں کی زبانیں کاٹنا پڑیں گی!